جلد ۱۱۰ ستمبر ۱۹۸۸ء عدد ۱

ماہنامہ

ترجمان القرآن

مؤسس

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ تعالیٰ

ادارۂ ترجمان القرآن، اچھرہ، لاہور

ترجمان القرآن لاہور

فہرست مضامین

جلد ۱۱۰ — ستمبر ۱۹۸۸ء مطابق محرم الحرام ۱۴۰۹ھ — عدد ۱

ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور

۵- اے ذیلدار پارک، اچھرہ، لاہور

رابطہ کے لیے: ادارہ ترجمان القرآن، رحمان مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور

فون نمبر ——— ۳۲۴۴۶۸

زرِ سالانہ تیس روپے - فی پرچہ ۳/- روپے

سید حسین فاروق مودودی نے ایچ فاروق ایسوسی ایٹس لمیٹڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ترجمان القرآن اچھرہ لاہور سے شائع کیا۔

محرّم کا سبق

جو تاریخ کے صفحوں پر خونِ حسینؓ سے لکھا گیا

محرّم کا مرکزی سبق یہ ہے کہ (جیسا کہ ہم سابق اشاعت میں بھی لکھ چکے ہیں) حکومت اور سیاسی اقتدار نے ہمیشہ یہ چاہا ہے کہ وہ حدود و قیود سے بالاتر ہو۔ بخلاف اس کے دنیا میں اقتدار کو پوری طرح جکڑ بند کر کے انسانوں کی خدمت میں لگا دینے کا کامیاب اور خوبصورت تجربہ صرف اسلام اور نبیِؐ اسلام نے اپنے اصولوں سے کیا۔ اور وہ حکمران پیدا کر دکھائے جو معاشرت میں فقیر، حق کے مقابلے میں خمیدہ سر اور ظلم کے مقابلے میں تنی ہوئی تلوار تھے۔ انہوں نے حکومت کو اپنے نبیؐ کی پیروی میں خادمت بنا دیا۔ مگر جاہلیت اس پاکیزہ نظام کو توڑنے کے خلاف زور کرتی رہی، یہاں تک کہ اس نے عجمیت کا تخت بچھا کر یزیدیت کا جھنڈا بلند کر دیا۔

بس اسی بے قید غیر اسلامی اقتدار کی دیوار سے امام حسینؓ نے اپنا بھی سر ٹکرا کر شہادت پائی اور ان کے ساتھیوں نے بھی۔ "خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را"

اس سبق کی روشنی میں آپ چاروں طرف نگاہ ڈال کر دنیا کو دیکھیے تو آپ کو ہر طرف لامحدود اقتدار (چند برائے نام تحدیدات کے ساتھ) مختلف نظاموں کی شکل میں ملے گا اور یزیدیت کے اس دورِ تہذیب میں آپ محسوس کریں گے کہ ہمارے ہاں روحِ حسینیت کتنی تھوڑی، کتنی دبی سکڑی، اور کتنی سازشوں میں گھری ہوئی ہے۔

یاد رکھیے جہاں کوئی طبقہ شاہانہ یا سرمایہ دارانہ لحاظ سے استکبار کر رہا ہے، جہاں غریب بھوکوں مرتے اور تعلیم و علاج سے محروم رہتے ہیں۔ جہاں جہالت کی تاریکیاں چھائی ہیں۔ جہاں اخلاق میں پستی اور شائستگی میں کوتاہی ہے، جہاں انسانوں میں تفریقیں اور تعصبات ہیں، وہاں یزیدیت کارفرما ہے۔ جس کا اصل نام طاغوت ہے۔ وَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ۔

تو کیا آپ یزیدیت کے لشکروں کے گھیرے میں گھرے ہوئے، دولت اور مفاد کے بہتے ہوئے فرات کے کنارے پیاسے رہ کر انکارِ طاغوت کے لیے تیر کھا سکتے ہیں، سر کٹا سکتے ہیں، یا صرف ماتم کر سکتے ہیں۔ اس کا جواب سوچ کر تاریخ کو بتائیے۔ آج کی پوری تہذیب ایک میدانِ کربلا ہے، کیا اس کا حق ادا کریں گے؟ (ادارہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

آج وہ شخصیت عالمی اعاظم و اکابر اور پاکستانی حکام و عوام کے ہجوم میں منوں مٹی کے نیچے مدفون ہوگئی جس کے دم سے دوستیوں اور دشمنیوں کے صدہا ہنگامے گرم تھے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ [1]

تاریخ میں ایسی متنازعہ شخصیتوں ہی سے رونق رہتی ہے، مگر اکثر یہ ہوتا ہے کہ سیاسی طور پر زیادہ اہمیت اختیار کرنے والے لوگ ماتحتوں اور شہریوں کو طرح طرح کے قوانین اور لاقانونیوں کا نشانہ بناتے ہیں اور ذاتی انتقام لے کر مزے لیتے ہیں۔

لیکن صدر ضیا ایک شریف آدمی تھے، مسلمان تھے اور کبھی وہ ظلم کیش یا انتقام پسند بن کر سامنے نہیں آئے۔

ہم ان کے قریب بھی گئے، اتفاق بھی کیا، اختلاف بھی کیا، اختلاف میں کبھی حد سے زیادہ دور بھی نکل گئے۔ مگر اب ان کی ذات باقی نہیں جس سے سارے ہنگامہ ہائے سیاست تھے۔ اب تو صرف ان کے کارنامے باقی ہیں۔ اور یہ کارنامے اب ہماری تاریخ کا حصہ ہیں۔

---

[1] مرحوم نے نوائے وقت کے پینل کو انٹرویو دیتے ہوئے اپنے متعلق یہ کہا تھا کہ "کسی کو معلوم نہیں کہ کل تک وہ جیئے گا یا نہیں۔" (نوائے وقت — ۲ اگست ۱۹۸۸ء)

صدر ضیاء الحق مرحوم کو بروئے حدیث شہادت کا درجہ ملا ہے[۱]۔ وہ ماہ محرم کے عشرہ اول میں رخصت ہوئے ۔ جس کی ابتداء سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ کی شہادت سے، اور جس کی تکمیل سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالی عنہ کی شہادت سے ہوئی ہے۔

موت کسی کی بھی ہو ۔ خصوصاً کسی مسلمان کی، جس کے ایمان کی قطعی نفی آپ نہ کر سکتے ہوں ۔۔۔ اس کے سامنے آنے پر تمام سیاسی اختلافات اور دنیوی جھگڑوں کی گٹھڑیاں دریا میں بہا دینی چاہئیں ۔ سیاست اور نزاعاتِ دنیا بعض اوقات کچھ لوگوں کے دلوں میں نفرت کا ایسا زہر بھر دیتی ہیں کہ نہ صرف وہ کسی حریف کی زندگی میں لفظ لفظ سے پھوٹا پڑتا ہے بلکہ چاہتے ہیں کہ ان کی نفرت موت کے بعد بھی اس کا تعاقب کرتی رہے ۔ ایسے بھی لوگ ہیں جنہوں نے اس سانحہ پر کہا کہ "ہمیں نہ خوشی ہے نہ غم"۔۔۔ افسوس ہے کہ پاکستان میں سانس لینے اور کھانے پینے والے کچھ آہنی اور سنگین مجسمے بھی پائے جاتے ہیں جن کو اس آب و گل سے خلق نہیں کیا گیا جس سے آدم علیہ السلام اور ان کی ساری اولاد پیدا ہوتی چلی آ رہی ہے ۔ ایسے لوگ بھی تھے جنہوں نے جشن منائے اور مٹھائیاں بانٹیں، کیونکہ ان کی نگاہ اب اس پر ہے کہ تخت و تاج آن کا ہے، جس تک پہنچنے کے لیے ضیاء الحق رکاوٹ بنا ہوا تھا ۔ عوام کی بھاری تعداد، عورتوں کی کثیر آبادی اور علماء اور دینی جماعتوں کے بہت سے وابستگان اس واقعہ پر سخت صدمہ رسیدہ ہوئے ۔ کئی جگہ قرآن خوانیاں ہوئیں اور ہر مسجد اور گھر میں مغفرت کی دعائیں مانگی گئیں ۔

اور میں ان سارے عناصر کے درمیان کھڑا اپنی جگہ طرح طرح کے احساسات میں گھرا کھڑا ہوں ۔

صدر ضیاء الحق کے متعلق طرح طرح کی آراء موجود ہیں، اس کے حساب میں بہت سے کارنامے اور نیکیاں بھی ہیں، دوسری طرف کوتاہیاں اور غلطیاں بھی ہیں، لیکن یہ بات نہایت بیّن ہے کہ اسلام کی راہ میں بہت سے اقدامات اس نے ایسے کیے ہیں، جنہیں اس سے پہلے کا کوئی حکمران نہ کر سکا ۔ اور شاید آئندہ بھی ایسے کام ۔۔۔ خواہ آپ ان کو چھوٹا اور بے حیثیت قرار دیں ۔۔۔ کرنے والا دوسرا

[۱] اس سلسلے میں ضروری احادیث کے اجمالی حوالے آخر مضمون میں ملیں گے ۔

آدمی مشکل ہی سے نمودار ہوگا - اس نے بعض ایسی طرحیں ڈال دی ہیں کہ ان سے رُوگردانی کرنا بھی مشکل ہوگا - شخصی دینی کردار کے لحاظ سے اس کا ایک خاص مقام تھا - اس نے بہت سے غریبوں اور مصیبت زدوں کے ساتھ براہِ راست حُسنِ سلوک کیا ہے، اس نے بیواؤں کو مدد بہم پہنچائی ہے، اس نے غریب گھروں کی بچیوں کو جہیز دیئے اور دلوائے ہیں - اور اس کے لیے فنڈ اور نظامِ کار تشکیل دینے کی کوشش کی -

پھر اس لحاظ سے اپنی نوعیت کا یہ ایک ہی حکمران تھا کہ جس نے اقتدار کی قوت کو مخالفین کے خلاف استبدادی اور جبری قوانین کے ذریعے استعمال نہیں کیا - اپنے خلاف بدترین باتیں سُنیں، لوگوں کے بدلتے رویّوں کی وجہ سے صدمہ بھی اُٹھایا - لیکن کبھی انتقامی رویہ اختیار نہیں کیا - اور نہ کسی کو قتل کرایا، نہ کسی کا کاروبار تباہ کرایا، نہ کسی کو ختم کرنے کے لیے ٹیکس کی مار دلوائی، نہ ملازمتیں چھین کر بے روزگاری کے جہنم میں ڈالا -

یہ عالمِ اسلام کی عجیب شخصیت تھا کہ یو این او اور امریکہ تک کے باضابطہ اجلاسوں میں قرآن کی آواز پہنچا کے آیا - اس کا حرمین میں جانا، اور روضۂ نبویؐ میں جا کر "بیٹری چارج" کرانا اس دور کے حاکموں کی ادا نہیں ہے -

اب اگر کوئی یہ کہے کہ یہ سب کچھ سیاسی کھیل جاری رکھنے کے لیے ڈرامہ تھا جو نفاق کے اسٹیج پر کھیلا جا رہا تھا تو ایسے حضرات کے لیے موزوں یہ ہے کہ وہ فتوی خانہ کھول کر لوگوں کے اعمال کا حساب لگا لگا کر کسی پر کفر اور کسی پر شرک اور کسی پر نفاق کے ٹھپے لگاتے رہیں - ہماری تحریک میں کبھی بھی ٹھپے نہیں لگائے گئے - یہ کاروبار اصلی اسلام اور پورے اسلام کے داعیوں کا نہیں ہو سکتا -

صدر ضیاء الحق کے پھیلے ہوئے وسیع سلسلۂ اعمال کا صحیح حساب لگانے والی صرف ایک ہی ذات ہے جس نے ہم سب کے لیے ایک ترازو نصب کر رکھی ہے - یہ کام اس کا ہے کہ سب کے کارنامۂ حیات کو تول تول کر ان کی حیثیت مشخص کرے - کتنے ہی تقوی کے انبار ہیں جو کسی عملِ حرام و جُرم کی وجہ سے اس دن وزن نہ پائیں گے - اور کتنے ہی درمیانی قسم کے مسلمانی والے لوگ ہیں جو بعض وسیع اور عمیق اعمال کی وجہ سے پُل صراط پار کر جائیں گے[1] دوسروں کی ایمان اور عاقبت پر حکم لگانے

---

[1] ہم جس معاشرہ میں رہتے ہیں وہ مخلوط افکار و اعمال کا معاشرہ ہے، حتیٰ کہ (باقی بر صفحہ آئندہ)

کے بجائے اپنی شخصیت کو چھانٹنا پھٹکنا چاہیے۔

صدر ضیاء الحق کی کہیں یہ کوتاہی ہو سکتی ہے کہ ایک صورتِ معاملہ ان کی سمجھ میں نہ آ سکی ہو، کہیں ان کی مشکل یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ایک کام کو وہ اعلان کرنے کے باوجود اس لیے نہ کر سکیں یا اچھی طرح نہ کر سکیں کہ ان سے متعلق مشینری ساتھ نہ دے سکی ہو، پیچیدگی یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ایک پروگرام کے لیے موزوں افراد ہی میسر نہ ہوں، لیکن مرحوم کی طرف سے برابر اس امر کی کوششیں جاری رہیں کہ اسلام کو فروغ حاصل ہو۔ اس کی ایک جھلک یہ ہے کہ فوج کے لیے "ایمان، تقویٰ، جہاد" کا ماٹو مقرر ہونے کے ساتھ ساتھ تمام فوجی لائبریریوں کو اسلامی لٹریچر سے بھر دیا گیا ہے۔ تفہیم القرآن اور مولانا کی کتب کے ہزارہا سیٹ جا بجا پہنچا دیے گئے ہیں۔ اس شخص کا جہادِ افغانستان ہی میں اتنا بڑا حصہ ہے کہ شاید یہ ایک خدمت ہی بے شمار گناہوں کو محو کرا دے۔ ہم آپ آڑے آنے والے کون!

مرحوم کی بے شمار کوتاہیاں گنوائی جا سکتی ہیں۔ لیکن اس شخص کی نیت پر جا کر حملہ کرنا تو گویا عام استدلال کی شکست ہے۔ اور اگر اسی طرح ہم سب لوگ ایک دوسرے کی نیتوں کا ناپ تول کرنے لگیں تو شاید اس ملک میں تبادلۂ خیالات اور میل جول اور کوئی تعمیری کام کرنا بالکل ممکن ہی نہ رہے، کچھ خدا کا خوف بھی ہونا چاہیے۔

ہم تحریکِ اسلامی کے لوگ نیتوں تک جانے کی جرأت نہیں کر سکتے۔ اس پہلو سے کبھی کوئی قیاس اگر کیا بھی جائے تو وہ ایسی استدلالی قوت نہیں رکھتا کہ داعیانِ حق اس کو دنیا بھر کے سامنے لائیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) بہت سی دینی شخصیتیں اور ان کے گھر فتنہ ہائے دوران کی آلائشوں سے اور ان کے اذہان تصوراتِ گناہ کے رقصِ مسلسل سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔ اِلّا ماشاء اللہ۔ مخلوط اعمال کی سوسائٹی میں جو لوگ صحیح بنیادی عقائد اور ضروری عبادات پر قائم ہوں اور معروف مسلمان ہوں ان کے لیے دعائے مغفرت بھی کی جاتی ہے اور خدا سے امید بھی رکھی جاتی ہے کہ وہ بخش دے۔ دینی طبقوں میں یہ کمزوری جلد راہ پا جاتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو بخشا بخشایا قرار دے کر دوسروں پر انتہائی سنگین فتوے لگائیں اور ان کا مقام عاقبت میں بھی طے کر دیں۔ کاش کہ سیاسی اختلافات سیاست کے دائرے تک رہ سکیں۔

صدر ضیاء کے اُٹھ جانے کا دھچکا یوں تو پورے عالمِ اسلام میں محسوس کیا جائے گا، لیکن سب سے زیادہ افغان مجاہدین اور مہاجرین پاکستان کو محسوس ہوگا۔ اور جو اس سایۂ تائید و حمایت سے محروم ہو گئے ہیں جو صدر مرحوم کی طرف سے کئی مختلف صورتوں میں ان کو حاصل تھا۔ ابھی زیادہ دیر نہیں گذری کہ جمہوری دور میں افغانی پالیسی میں بہ سلسلہ معاہدہ جنیوا ذرا سا خم کھایا گیا تو اس کے بڑے سنگین نتائج نکلے۔ روس اور امریکہ اور بھارت کے درمیان گھرے ہوئے پاکستان کو صحیح سلامت رکھتے ہوئے چلنا اور افغان پالیسی کو خطِ مقررہ پر نو سال سے مسلسل قائم رکھنا صدر ضیاء مرحوم کا ایک ناقابلِ فراموش کارنامہ ہے۔

آپ اندازہ نہیں کر سکتے کہ بعض مظلوم مسلم اقلیتیں ہمارے آس پاس کی کس طرح صدر ضیاء کے تصور سے قوت حاصل کرتی رہی ہیں۔ آج جا کر دیکھیے کہ ان کے حوصلے کس درجہ مجروح ہو گئے ہوں گے۔

اِدھر صدر ضیاء کی حادثاتی شہادت کے بعد، اور نہایت اہم فوجی افسروں کی ایک بڑی تعداد کی جدائی کے بعد، خود پاکستان دفاعی لحاظ سے بڑی نازک صورتِ حالات سے دوچار ہے۔ اگرچہ اس کے سپاہی اور اس کے شہری، دفاع کے لیے ہر بازی کھیل جانے کو تیار ہیں۔ ستم ظریفی دیکھیے کہ کراچی میں فوری طور پر تیل کی تنصیبات پر راکٹوں کے ایک بھاری حملے کا ہونا اور تخریب کاروں کا بھاگ کر بچ نکلنا بڑا تشویش انگیز واقعہ ہے۔

دوسری طرف سیاسی حال یہ ہے کہ نہ جماعتوں میں تنظیمی و تربیتی اور جمہوری اطوار موجود ہیں، نہ عمائدین میں اعلیٰ درجہ کا تدبر اور حالات کے بدلتے تقاضوں کا گہرا شعور اور قابلِ اعتماد اخلاق و کردار موجود ہے۔ اَن گنت چھوٹے چھوٹے گروہ، کچھ مذہبی تنظیمیں، کچھ با اثر قسم کی جماعتیں موجود ہیں۔ لیکن کوئی ایک بھی نہیں جو اسلامیت، جمہوریت اور پاکستانیت کے تینوں اُصولی تقاضوں کو تسلیم اور جذب کر کے چلے۔

صرف ہم ایک ایسا اُصولی گروہ تھے جو اگر آپ امتیاز و تشخص قائم رکھ کر اس وقت سارے ملک کو آواز دیتے کہ آؤ اور ملک کو بچانے اور اسلام کو اُبھارنے اور جمہوری فضا پیدا کرنے کے لیے جماعتیں اور شہری متحد ہو جاؤ تاکہ ہم لادینیت پسندوں اور علاقائیت پرستوں کے اس طوفان کا مقابلہ کریں جو بس اب تیزی سے اُبھرنے والا ہے —— شریف اور حساس شہریوں اور سیاسی حضرات کی بڑی تعداد متوجہ ہو جاتی۔

لیکن ہم تو کسی اور ہی مقام پر کھڑے ہیں۔ نہ جمہوریت چاہنے والے لادینیت پسندوں کو ہماری

ضرورت، نہ مذہبی جماعتوں اور دینی شخصیتوں کو ہم سے دلچسپی۔
اب گاڑی کو صحیح پٹڑی پر لاکر کام کو آگے بڑھانا اور قوم کو لادینیت سے بچا دکھانا ایک عظیم کام ہے۔ کاش کہ ہم اسے انجام دے سکیں۔

اس موقع پر میں موجودہ صدر غلام اسحٰق خاں سے، فوجی افسروں سے اور سینیٹ کے تمام ممبروں سے، اسلامی نظریاتی کونسل سے، دینی اکابر اور ان کی جماعتوں یا اداروں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ صدر ضیاء کی ان تمام کوششوں کو ملیا میٹ ہونے سے بچانے کی کوشش کریں، جو انہوں نے اسلام کا علم سربلند کرنے کے لیے مختلف شعبوں میں کیں۔ اور صرف سابق کوششوں کا بچانا ہی کافی نہیں، بلکہ مہربانی فرما کر خدا و رسولؐ کی خوشنودی کے لیے، اس قوم کی بہبود کے لیے، مادہ پرستی کا مقابلہ کرنے کے لیے اور وطنِ عزیز کو خطرات و مہالک سے بچانے کے لیے ان کوششوں کو آگے بڑھائیں۔
اِس سلسلے میں جو بھی اقدام کیا جائے گا، تمام محبانِ دین اس کا ساتھ دیں گے اور عوام میں زندگی کی ہر دوڑ پکڑتی جائے گی۔
دوسرا اشد ضروری کام یہ سامنے ہے کہ ۱۶ر نومبر کو انتخابات منعقد ہو جائیں اور تمام لیڈروں اور پارٹیوں کے مطالبے کے مطابق جماعتی بنیاد پر ہوں[1]۔

اللہ سے دلی دعا ہے کہ وہ ضیاء الحق شہید کو مغفرتوں، رحمتوں اور انوارِ خاص سے نوازے اور ان کے ہم سفر فوجی افسروں اور جہاز کے عملے کے ہر فرد کی بخشش فرمائے، نیز سب کے پس ماندگان کو صبر بھی دے۔

---

[1] جمہوریت کی بحالی بہت ضروری ہے، مگر سیکولر مغرب کے نظامِ جمہوریت میں ضروری اصلاحات نہ کرنے کے نتائج جمہوری آمریت (فسطائیت) اور لادینیت کی شکل میں بھی نکل سکتے ہیں۔ جمہوری فسطائیت کا تجربہ تو پہلے بھی ہو چکا ہے۔ آگے کا اصل کام یہ ہے کہ جمہوری پارلیمانی سسٹم اور اس کے نظامِ انتخابات میں مؤثر تبدیلیاں پیدا کی جائیں۔ اور یہ کام صرف جمہوریت جمہوریت کہنے نہیں ہو سکتا۔ اسلام بھی ضروری ہے۔

اجر بھی دے اور اپنی دوسری خاص رحمتوں سے ان کے غم کی تلافی بھی کرے۔

دعا یہ بھی ہے کہ پاکستان کو داخلی انتشار اور ترکِ اخوت سے، نیز لادینیت اور اباحت پسندی، علاقہ پرستی اور نسل پرستی سے، اور اسلامی قدروں کو تباہ کرنے والے ماڈرن ازم سے بچائے۔ خدائے قادر، بدطینت دشمنوں میں گھرے ہوئے اس خطے کے امن، استحکام اور سالمیت کا تحفظ فرمائے۔ ربِ جلیل مجاہدین افغانستان اور مہاجرینِ افغانستان کا خود حامی و ناصر ہو اور ان کے جذبوں کو مزید توانائی اور ان کے لیے حالات کو مزید سازگاری دے۔ آقائے عظیم آزاد کشمیر کے مسلمانوں اور بھارت کی مظلوم اقلیتی مسلمانوں کو حوصلہ اور سہارا دے۔ اور ان کو اکثریت کے تعصب کے عفریت کا لقمہ بننے سے بچائے۔ صاحبِ عرشِ عظیم تمام مسلمانانِ عالم کی ہمتیں بلند کرے اور ہر جگہ غلبۂ اسلام کے راستے کھول دے۔

ایک دعا یہ بھی دل میں ہے کہ صدر ضیا شہید کے دور میں جو کچھ بھی اقدامات اسلام کے لیے مختلف شعبوں

(حاشیہ متعلق بہ صفحہ نمبر ۴)

جہاد فی سبیل اللہ کے شہداء کا درجہ گو سب سے بلند ہے، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو شہداء کی اور بھی اقسام بتائی ہیں۔ مثلاً: مَن قُتِلَ دون اھلہ فھو شھید۔ ودون دینہ (ترمذی، ابوداؤد) دون مالہ (بخاری، مسلم) پیٹ کی تکلیف میں فوری خاتمہ علامتِ شہادت ہے۔ (بخاری۔ ابن ماجہ) مظلوم کی مدد کرتے ہوئے قتل ہونے والا شہید (مسند احمد) اپنی تلوار یا اسلحہ بچانے یا واپس چھیننے کے لیے مرنے والا شہید (مسلم) والغریق شھید (مسلم) من مات فی الطاعون فھو شھید (مسلم) دب کر مرنے والا شہید (مسلم) عورت کا دورانِ حمل یا زچگی میں فوت ہونا شہادت ہے (موطا) جل جانا شہادت (موطا)، تاجر صدوق وامین شہداء کے ساتھ ہوگا۔ (ترمذی، دارمی، ابن ماجہ) کسی مرض سے اچانک مرجانا درجۂ شہادت رکھتا ہے (ابن ماجہ) علاوہ ازیں سفرِ حج میں، طلبِ دین کی سعی میں، دعوتِ اسلامی کو پھیلانے کی سرگرمیوں میں، اور جہاد فی سبیل اللہ کے راستے میں تگ و دو بھی ذریعہ شہادت بن جاتی ہے۔ امام نووی اجماعی مسئلہ یہ بتلاتے ہیں کہ اگرچہ یہ لوگ جہاد فی سبیل اللہ کے مقام پر نہیں۔ مگر غیر معمولی حادثے یا سختی یا بے بسی کی وجہ سے ان کو قیامت کے دن ثواب الشہداء ملے گا سوائے اس کے کہ قرض معاف نہیں ہوگا۔ غسل، کفن اور جنازہ ہوگا۔ دفن۔ ص ح

میں ہوتے ہیں عہد کے لیڈر اور عوام اُن کو آگے بڑھائیں اور تکمیل تک پہنچائیں - اور ان کاموں کو تباہ کرنے یا ان کے خطوط کو مٹانے کی جسارت کسی جماعت یا پارلیمنٹ یا عہدہ دار کو نہ کرنے دیں -

اللہ ہی ہم سب کا بہترین دوست، بہترین کارساز اور بہترین سہارا ہے -

---

آخر میں ہم وہ قرارداد شائع کرتے ہیں جو موجودہ حالات کے متعلق مرکزی رہنماؤں نے پاس کی :

(لاہور) ۱۹ اگست - جماعتِ اسلامی پاکستان کے مرکزی رہنماؤں کا ایک ہنگامی اجلاس جماعتِ اسلامی پاکستان کے مرکزی دفتر منصورہ میں امیر جماعت اسلامی پاکستان قاضی حسین احمد کی زیرِ صدارت ہوا - اجلاس میں حسبِ ذیل قرارداد اتفاق رائے سے منظور کی گئی :

"جماعتِ اسلامی پاکستان کے مرکزی عہدہ داروں کا یہ ہنگامی اجلاس حالیہ المناک ہوائی حادثہ پر اپنے گہرے رنج و غم کا اظہار کرتا ہے - ہم اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دعا کرتے ہیں کہ وہ جنرل ضیاء الحق اور اس حادثہ میں جاں بحق ہونے والے تمام افراد کی مغفرت فرمائے، ان کے پس ماندگان کو صبرِ جمیل کی توفیق بخشے، اس نازک گھڑی میں قوم کو نیا حوصلہ، عزم اور ہمت عطا کرے تاکہ وہ پیش آمدہ مصائب کا پامردی کے ساتھ مقابلہ کر کے اپنے مسائل کو بحسن و خوبی حل کر سکے اور دشمنانِ پاکستان کے منصوبوں کو خاک میں ملا دے -

اِس موقع پر ہم قائم مقام صدر غلام اسحاق خاں کو دستوری حدود کے اندر اُٹھائے جانے والے تمام اقدامات میں اپنے بھرپور تعاون کا یقین دلاتے ہیں اور ساتھ ہی واضح کرنا چاہتے ہیں کہ موجودہ دستور ہنگامی حالات سے نبرد آزما ہونے کا بھی ایک طریقہ کار متعین کرتا ہے - اگر اس طریقہ سے ہٹ کر کوئی ایسی راہ اختیار کی گئی جو دستور کے خلاف یا اس سے متجاوز ہو تو یہ ملک کے ساتھ خیر خواہی نہیں ہو گی - اب ملک کسی غیر دستوری طریقہ کا متحمل نہیں ہو سکتا -

یہ اجلاس اس امر پر اپنے اطمینان کا اظہار کرتا ہے کہ قائم مقام صدر نے ۱۶ نومبر کو انتخابات کرانے کی یقین دہانی کرائی ہے - لیکن موجودہ حالات میں محض یہ اعلان اس بارے میں پائے جانے والے شکوک و شبہات کو رفع کرنے کے لیے کافی نہیں ہے - ضرورت اس امر کی ہے کہ ان انتخابات کو

جمہوری روایات کے مطابق یقینی، مثبت، پرامن، منصفانہ اور جماعتی بنیاد پر کرانے کے لیے فوری طور پر ضروری اقدامات کیے جائیں تاکہ قوم کو اس بارے میں یکسوئی حاصل ہو سکے۔

یہ اجلاس محسوس کرتا ہے کہ اس نازک گھڑی میں ملک کو بیرونی خطرات اور اندرونی خلفشار سے بچانے کے لیے کامل قومی اتحاد، بیداری، یک جہتی اور ہم آہنگی کی ضرورت ہے۔ ہر قسم کے گروہی، لسانی اور علاقائی تعصبات سے بالاتر ہو کر وطنِ عزیز کی بقاء اور سالمیت کے لیے سرگرم عمل ہونا ہر محبِ وطن شہری کا اہم ترین فرض ہے۔ اس اجلاس کو یقین ہے کہ انشاء اللہ پاکستانی عوام عزم و حوصلہ کے ساتھ اپنے اس فرض کو ادا کریں گے اور ملک ایک مرتبہ پھر اپنی تمام مشکلات پر قابو پا کر ایک شاندار مستقبل اور مکمل اسلامی نظام کی طرف پیش قدمی کرے گا۔

یہ اجلاس اس موقعہ پر اپنے افغان بھائیوں کو یہ یقین دلانا چاہتا ہے کہ اس المناک حادثہ سے پاکستان کا وہ اصولی موقف ہرگز متاثر نہیں ہوگا، جو اس نے افغانستان میں بیرونی مداخلت اور افغانستان کی آزادی کے سلسلے میں اختیار کر رکھا ہے۔ انشاء اللہ ملتِ پاکستان، افغانستان میں ایک آزاد اسلامی مملکت کے قیام تک پوری طرح ان کا ساتھ دیتی رہے گی۔ یہ اجلاس اس حادثہ میں پاکستان میں متعین امریکی سفیر اور دوسرے سفارت کار کی ہلاکت پر بھی اپنے گہرے دکھ اور ان کے خاندانوں کے ساتھ اپنی ہمدردی کا اظہار کرتا ہے۔"

---

۶ ستمبر

۶ ستمبر کو وہ معرکہ جہاد یاد آ جاتا ہے جو پڑوسی حملہ آور کی جارحیت کو روکنے کے لیے کیا گیا۔ ۱۷ دن پورا زور لگانے کے باوجود نہ تو عدو لاہور کے قریب پھٹک سکا اور نہ کوئی اور فتوحات حاصل کر سکا۔

صدر ضیاء الحق شہید کے اٹھ جانے سے اس کے ذہن میں اگر شرارت کی کوئی نئی لہر اٹھے تو ہم گزارش کرنا چاہتے ہیں کہ یہ قوم جس نے ضیاء شہید کے جنازے پر دنیا کو حیرت ناک منظر دکھایا ہے۔ یہ کسی بھی جارح کے گلے توڑ دکھائے گی۔

جہاد ہمارا راستہ اور شہادت ہماری منزل ہے!

حکمتِ سیّد مودودیؒ

جماعتِ اسلامی کا نصب العین اور طریقِ کار

(۱)

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کو جس مقصد کے لیے مبعوث کیا اور اپنی کتابوں کو نازل کیا وہ دینِ حق کو قائم کرنا ہے۔ ان کا اصل مقصد یہ رہا ہے کہ خلقِ خدا اپنے مالکِ حقیقی کے سوا کسی کے تابع فرمان نہ رہے، قانون صرف خدا کا قانون ہو، تقویٰ صرف خدا سے ہو، امر صرف خدا کا مانا جائے، حق اور باطل کا فرق اور زندگی میں راہِ راست کی ہدایت صرف وہی مسلّم ہو، جیسے خدا نے واضح کیا ہے اور دُنیا میں ان خرابیوں کا استیصال کیا جائے جو اللہ کو ناپسند ہیں اور ان خیرات و حسنات کو قائم کیا جائے جو اللہ کو محبوب ہیں۔ یہ ہے دین اور اسی کی اقامت ہمارا مقصد ہے اور مسلمان ہونے کی حیثیت سے اسی کام پر ہم مامور ہیں۔

اس کام کی اہمیت اگر آپ پوری طرح محسوس کر لیں اور اگر آپ کو اس بات کا بھی احساس ہو کہ اس کام کے معطّل ہو جانے اور باطل نظاموں کے دنیا پر غالب ہو جانے سے دُنیا کی موجودہ حالت کس قدر شدت سے غضبِ الٰہی کی مستحق ہو چکی ہے، اور اگر آپ یہ بھی جان لیں کہ اس حالت میں غضبِ الٰہی سے بچنے اور رضائے الٰہی سے سرفراز ہونے کی کوئی صورت اس کے سوا نہیں ہے کہ ہم اپنی تمام قوت خواہ وہ مال کی ہو یا جان کی، دماغ کی ہو یا زبان کی، صرف اقامتِ دین کی سعی میں صرف کر دیں تو آپ سے کبھی دوسری بحثوں اور افکار کا صدور نہ ہو۔۔۔ اکثر لوگوں نے سوچے سمجھے بغیر سطحی اور جزئی تحریکیں جاری کر رکھی ہیں اور ان کو چلانے کے لیے زود اثر اور فی الفور نتیجہ منظرِ عام پر لانے والے طریقے اختیار کیے ہیں۔ وہ سب ہمارے

نزدیک چاہے غلط نہ ہوں، چاہے ان کی مذمت ہم نہ کریں، چاہے اُن کی اور ان کے پیچھے کام کرنے والے اخلاص کی ہم دل سے قدر کریں، مگر بہر حال ہم ان کو لاحاصل سمجھتے ہیں اور ہمیں پوری طرح یقین ہے کہ اس طرح تحریکیں اگر صدیوں بھی پوری کامیابی اور ہنگامہ خیزی کے ساتھ چلتی رہیں تب بھی نظامِ زندگی میں کوئی حقیقی انقلاب رُونما نہیں ہوسکتا۔ حقیقی انقلاب اگر کسی تحریک سے رُونما ہوسکتا ہے تو وہ صرف ہماری تحریک ہے اور اس کے لیے فطرۃً وہی طریق کار ہے جو ہم نے خوب سوچ سمجھ کر اور اس دین کے مزاج اور اس کی تاریخ کا گہرا جائزہ لے کر اختیار کیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ہمارا طریق کار نہایت صبر آزما ہے، سست رفتار ہے، جلدی سے کوئی نتیجہ اس سے رُونما نہیں ہوسکتا، اور اس میں برسوں لگاتار ایسی محنت کرنی پڑتی ہے جس کے اثرات اور جس کی عملی نمود کو بسا اوقات خود محنت کرنے والا بھی محسوس نہیں کرسکتا۔ لیکن اس راہ میں کامیابی کا راستہ یہی ہے، اس کے سوا کوئی دوسرا طریق کار اس مقصد کے لیے ممکن نہیں ہے۔ جن لوگوں کو ہمارے مسلک اور طریق کار یا ان دونوں میں سے کسی ایک پر بھی اطمینان حاصل نہ ہو اُن کے لیے یہ راستہ تو کُھلا ہوا ہے کہ ہم سے باہر جاکر اپنی صوابدید سے جس طرح چاہیں کام کریں۔ لیکن یہ اختیار کسی طرح نہیں دیا جاسکتا کہ بطور خود ان دونوں میں سے کسی ایک چیز میں جو ترمیم چاہیں کرلیں۔ ہمارے ساتھ جس کو چلنا ہے اُسے پورے اطمینان کے ساتھ ہمارے مسلک اور طریق کار کو ٹھیک سمجھ کر چلنا چاہیے اور جو شخص کچھ بھی میلان دوسری تحریکوں اور جماعتوں کی طرف رکھتا ہو اُسے پہلے ان راستوں کو آزما کر دیکھ لینا چاہیے۔ پھر اگر اس کا ذہن اس فیصلے پر پہنچے جس پر ہم پہنچے ہوئے ہیں تو وہ اطمینانِ قلب کے ساتھ ہمارے ساتھ آجائے۔ دعوتِ اسلامی اور اس کے مطالبات ص ۵۲، ۵۳، ۵۵، ۵۶ .... ایک طرف لوگوں کے سامنے یہ طریق کار ہے کہ ایک سال یا اس سے زیادہ مدت تک عوام سے چند آدمیوں کو پیہم تعلیم و تربیت دے کر خوب پختہ کرلیا جائے اور ان کے عقائد، اخلاق، اعمال، مقصدِ زندگی، معیارِ قدر و قیمت، ہر چیز کو پوری طرح بدل ڈالا جائے اور پھر ان کو مستقل کارکن بنا کر مزدوروں، کسانوں اور دوسرے عامی طبقوں میں کام کرنے کے لیے استعمال کیا جائے، اور دوسری طرف یہ طریق کار ہے کہ ایک قلیل مدت میں ہزاروں آدمیوں کو بیک وقت چند ابتدائی اُمورِ دین کی حد تک (یا دل خوش کُن اُمور کے سلسلے میں) مخاطب کیا جائے اور فوری طور پر ان میں ایک حرکت پیدا کرکے چھوڑ دیا جائے، چاہے دوسرے چکر کے وقت پہلی حرکت کا کوئی اثر

ڈھونڈے سے بھی نہ مل سکے۔ اِن دونوں طریقوں میں سے جب میں دیکھتا ہوں کہ لوگ پختہ نتائج پیدا کرنے والے دیر طلب اور محنت طلب اور صبر آزما طریقے کو سُنتے ہیں اور اس کی طرف توجہ نہیں کرتے اور دوسرے طریقے کی طرف بار بار دوڑ چلنے کی کوشش کرتے ہیں تو میرے سامنے مسلمانوں کی وہ کمزوریاں بالکل بے نقاب ہو جاتی ہیں، جن کی وجہ سے اب تک وہ خام کاریوں ہی میں اپنی قوتیں اور محنتیں اور مال اور اوقات ضائع کرتے رہے ہیں۔ ہاں اس سلسلے میں زیادہ سے زیادہ اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ جب تک اس تحریک کی باگیں میرے ہاتھ میں ہیں میں اپنے رفقا کو صحیح اور نتیجہ خیز کاموں ہی پہ لگانے کی کوشش کروں گا۔ اور بے حاصل کوششوں میں جانتے بوجھتے اُن کو مشغول نہ ہونے دوں گا۔

(ایضاً۔ ص ۵۷، ۵۸)

---

(۲)

اپنا جائزہ لیجیے!

میں اس وقت جماعتِ اسلامی کی بعض خصوصیات کی طرف اشارہ کروں گا۔ لیکن ان خصوصیات کے بیان کرنے سے مقصود یہ نہیں ہے کہ یہ بالفعل جماعت کے ارکان کے اندر موجود ہیں، بلکہ یہ ہے کہ یہ آپ کے اندر ہونی چاہئیں اور آپ کا فرض ہے کہ آپ برابر اپنا جائزہ لے کر دیکھتے رہیں کہ یہ آپ کے اندر موجود ہیں یا نہیں؟ اور اگر موجود ہیں تو کس حد تک؟ اور انہی کو آپ جماعت کے ساتھ وابستگی کے لیے معیار بنائیے۔ اگر یہ خصوصیات پورے طور پر موجود ہیں تو سمجھیے کہ جماعت کے ساتھ آپ کی وابستگی پوری ہے۔ اور اگر ناقص طور پر موجود ہیں تو سمجھیے کہ جماعت کے ساتھ آپ کا تعلق بھی ادھورا ہے اور اگر یہ سرے سے موجود ہی نہیں ہیں تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ جماعت کے ساتھ آپ کی وابستگی محض رسمی و ظاہری ہے حقیقت سے اس کو کچھ تعلق نہیں۔

۱۔ ان خصوصیات میں سب سے مقدم خصوصیت یہ ہے کہ موجودہ ماحول کے اندر آپ غربت کا احساس کریں۔ غربت سے میرا مقصد مال و اسباب کی کمی نہیں ہے۔ اس چیز کا احساس تو ایک مسلمان اگر وہ سچا مسلمان ہے، کبھی کرتا ہی نہیں۔ غربت سے میرا مقصد یہ ہے کہ موجودہ فضا میں آپ کو ہر جگہ اجنبیت کا احساس ہو۔ خاندان میں، سوسائٹی میں، قوم میں آپ کو اپنے ہمدرد و آشنا اور ہم خیال و ہم مشرب بہت کم نظر آئیں۔

علّامہ ابن تیمیہؒ کا تفسیری ورثہ

جناب ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی

(۲)

اسرائیلیات سے متعلق علامہ کا موقف اسرائیلیات سے مراد وہ تمام روایات و خرافات ہیں جو یہود و نصاریٰ کے ذریعے مسلمانوں میں داخل ہوگئیں۔ جن کے اہم اسباب یہ ہیں کہ یہود و نصاریٰ کے اہل کتاب ہونے کی وجہ سے ان کی باتوں کا مسلمانوں کے یہاں ایک خاص وزن تھا۔ چنانچہ بعض راویوں نے قرآن کی جن مجمل باتوں کی تفسیر یا تفصیل اہل کتاب سے ملی اسے روایت کر دیا۔ ایک حدیث میں رسول اللہؐ نے بنی اسرائیل سے روایت کرنے کی اجازت بھی دے دی تھی۔ اس کے علاوہ بہت سے اہل کتاب مسلمان ہوئے۔ ان کے ذریعے بہت سی اسرائیلی روایات داخل ہوگئیں، نیز بہت سی اسرائیلیات بطور استشہاد قبول کی گئیں۔

اسرائیلیات کے سلسلہ میں علمائے تفسیر کے رویہ میں اختلاف رہا ہے۔ علامہ ابن تیمیہؒ کا موقف اس سلسلہ میں کافی متوازن ہے۔ انہوں نے اس طرح کی روایات کو تین خانوں میں تقسیم کیا ہے۔

ایک وہ روایات ہیں جن کی تصدیق قرآن و احادیث سے ہوتی ہے ان کی صحت و قبولیت میں کوئی کلام نہیں۔

دوسرے وہ روایات جن کے سر بسر غلط ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ وہ قرآن و حدیث کی تعلیمات سے متصادم ہیں۔

تیسری قسم وہ روایات ہیں جو پہلے یا دوسرے گروہ میں نہیں آتیں یعنی جن کی تصدیق یا تکذیب قرآن و حدیث سے نہیں ہو سکتی ہم کبھی ایسی روایات کی نہ تو تصدیق کریں گے نہ تکذیب، ان کی روایت

۲۔ دوسری خصوصیت جو مطلوب ہے اور جو درحقیقت پہلی خصوصیت ہی کا لازمی نتیجہ ہے، یہ ہے کہ آپ اپنی ساری وابستگی اور دلچسپی ان لوگوں کے ساتھ بڑھائیں جو اُصول و مقاصد میں آپ کے ساتھ متحد ہوں۔ اگر ان کی تعداد کم ہو تو اس کی پروا نہ کیجیے، انھی کی رفاقت اور نصرت کی قدر کیجیے۔ اگرچہ وہ آپ کے عزیز نہ ہوں، لیکن آپ اُن کو عزیزوں سے بڑھ کر عزیز رکھیے۔ اگرچہ وہ آپ کی قوم سے باہر کے ہوں۔ لیکن آپ کی عصبیت و حمیت ان کے لیے اپنی قوم سے بھی زیادہ ہو۔ اگرچہ وہ ہمیشہ سے آپ کے اور آپ کی قوم کے دشمن رہے ہوں۔ لیکن آج اگر انھوں نے اس حق کو قبول کر لیا ہے جس حق کو آپ نے قبول کیا ہے تو آپ کی طرف سے ان کے لیے صرف سچی دوستی ہی ہونی چاہیے۔ آپ ہر طرف سے کٹ کر اپنی ساری دلچسپیاں صرف ان کے اندر ڈھونڈیے۔ یہی آپ کے عزیز ہوں، یہی آپ کے دوست ہوں، یہی آپ کے دوست ہوں، یہی آپ کے غم خوار ہوں۔ ان کے سوا دوسروں کے ساتھ آپ کا تعلق دوستی اور محبت کا نہ ہو، بلکہ صرف خیر خواہی اور خیر سگالی کا ہو، یعنی آپ اُن کو بھی اس حق سے آشنا کیجیے جو اللہ تعالیٰ نے آپ پر کھولا ہے۔

آپ کا گہرا ناتا اہلِ حق اور اہلِ ایمان کا گہرا ناتا ہو۔ جن کا رشتہ حق کے ساتھ جتنا ہی ضعیف ہو، آپ کا رشتہ ان کے ساتھ اتنا ہی ضعیف ہونا چاہیے اور جن کا رشتہ ایمان کے ساتھ جتنا ہی مضبوط ہو، آپ کا رشتہ ان کے ساتھ اتنا ہی مضبوط ہونا چاہیے۔ اِس اُصول کو سامنے رکھ کر اپنی دوستیوں اور دشمنیوں کا پورا جائزہ لیجیے اور اگر کہیں آپ کو نظر آئے کہ آپ دوستی کے مستحق کے ساتھ دشمنی اور دشمنی کے حقدار کے ساتھ دوستی کا معاملہ کر رہے ہیں۔ تو اللہ کے ڈر سے اس کی اصلاح کیجیے۔ اگر آپ ایک اُصول کے ساتھ دوستی رکھتے ہیں تو اس کے دشمنوں کے ساتھ آپ کی دوستی نہیں ہو سکتی۔ اس طرح جو لوگ اس اُصول سے دوستی رکھتے ہیں اُن کے ساتھ آپ کی دشمنی بھی خلافِ فطرت ہے۔ آپ نسل و نسب کے بُت کے پجاری نہیں ہیں۔ اور نہ آپ کو رنگ و خون کے امتیازات ہی سے کوئی دلچسپی ہے۔ آپ کی نفرت و محبت تو تمام تر اللہ اور رسولؐ کے تعلق کے تابع ہے۔ جو لوگ اللہ و رسولؐ کے ساتھ اپنا رشتہ جوڑ لیں، آپ ان کے بن گئے اور وہ آپ کے بن گئے۔ آپ کا اور ان کا مادی رشتہ ہے، اخلاقی رشتہ ہے، اور روحانی رشتہ ہے۔ یہی معنی ہیں رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ کے۔ اگر ایمان و اسلام کے رشتہ کے سوا کوئی اور رشتہ بھی آپ نے باقی چھوڑ رکھا ہے تو اس کی اصلاح کی کوشش کیجیے اور جلد سے جلد اس کو حق کے تابع کیجیے۔

نہیں معلوم کب آپ کے سامنے آزمائش کی گھڑی آجائے اور وہ آپ سے مطالبہ کرے کہ حق کے لیے چچا بھتیجے کی گردن پر تلوار چلائے اور بھانجہ ماموں کے سینہ پہ نیزہ مارے۔

باطل اور باطل کے تمام رشتوں سے قلبی انقطاع اصلی روحانی ہجرت ہے۔ جس کا آغاز اس دن سے ہو جاتا ہے جس دن ایک بندۂ حق ایک حق کو قبول کرتا ہے اور اس کی خاطر ایک باطل کو چھوڑتا ہے۔ آپ اس روحانی ہجرت کا عزم کیجیے اور اس راہ میں جو دشواریاں پیش آتی ہیں ان پر قابو پانے کی مشق بہم پہنچائیے۔ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس کے لیے پہلے سے کسی اہتمام کی ضرورت نہیں ہے جب وقت آئے گا وہ حق کے لیے بڑی سے بڑی قربانی بھی پیش کر دیں گے اور عزیز سے عزیز رشتوں پر مقراض بھی چلا دیں گے لیکن یہ خیال بالکل غلط ہے، آزمائش کی گھڑیوں میں قلب و دماغ کو صرف وہی قوت کام دیتی ہے جو بالفعل موجود ہو اور جس کا ذخیرہ پہلے سے فراہم کرنے کی کوشش کی گئی ہو۔ جو لوگ اپنی فوج کو اس وقت ٹریننگ دیتے ہیں جب دشمن نے حملہ کر دیا ہو ان کے حصہ میں ناکامی کے سوا اور کچھ نہیں آتا۔

۳۔ تیسری صفت جو آپ کو اپنے اندر پیدا کرنی ہے وہ اس کی مقابل صفت ہے یعنی یہ کہ جو لوگ اصول اور مقصد میں آپ سے مختلف ہوں وہ آپ کو نرم چارہ نہ پائیں۔ وہ جب آپ کو ٹٹولیں تو انہیں محسوس ہو کہ ان کے لیے آپ کے اندر انگلی دھنسانے کی کوئی جگہ نہیں ہے۔ وہ اپنے اغراض و مقاصد کی تکمیل کے لیے آپ کو آلۂ کار نہ بنا سکیں۔ پہلی جماعت کے لیے آپ جتنے سادہ لوح، کریم النفس اور بھولے بھالے ہوں دوسری جماعت کے لیے آپ کو اسی قدر ہوشیار، بیدار مغز اور اصول پرست ہونا چاہیے۔ ان کو آپ ہرگز اس بات کا موقع نہ دیں کہ وہ آپ پر اپنا رنگ چڑھا دیں اور آپ کو اپنے سانچے میں ڈھال لیں۔ جب تک آپ میں یہ صفت پیدا نہ ہو اس وقت تک نہ آپ کے اندر جماعت کے مقاصد کا صحیح شعور پیدا ہوا ہے اور نہ آپ میں وہ سیرت پیدا ہوئی ہے جو جماعتِ اسلامی کے پیشِ نظر مقاصد کی تکمیل کے لیے مطلوب ہے۔ قرآن مجید میں اہل ایمان کی جو تعریف کی گئی ہے کہ وہ ”أَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ“ کفار پر سخت ہیں اس کے معنی یہی ہیں، جو لوگ اللہ کی فوج میں بھرتی ہو چکے ہیں ان کے لیے یہ بات جائز نہیں ہو سکتی کہ وہ دشمن کے بِگل پر بھی لفٹ رائٹ شروع کر دیں اور عارضی فوائد کے لیے اس کا کلمہ بلند کر دینے اور اس کی لڑائی لڑ دینے میں بھی کوئی حرج نہ خیال کریں۔ جو لوگ حق اور باطل دونوں کے ساتھ رشتہ رکھنا چاہتے ہیں، اُن کا رشتہ صرف باطل کے ساتھ رہتا ہے۔ حق اس قسم کی شرکت اور آلودگی کو گوارا نہیں کرتا۔ آپ

کی سیرت کی وہ ساری کمزوریاں جو آپ کے اندر باطل کو گھسنے کی راہ دیتی ہیں آپ کے ضعفِ ایمان کی دلیل ہیں اور اب جس زندگی کا آپ نے آغاز کیا ہے اُس کا اوّلین تقاضا ہے کہ آپ ان کمزوریوں کو دُور کرنے کی پوری کوشش کیجیے۔

یہ دو تین باتیں میں نے آپ کے سامنے کسوٹی کی حیثیت سے پیش کی ہیں۔ آپ ان کے اُوپر اپنے آپ کو جانچ کر معلوم کر سکتے ہیں کہ جماعت کے ساتھ آپ کا تعلق کس نوعیت کا ہے؟ محض زبان سے آپ اس کے ساتھ ہو گئے ہیں اور دل آپ کا اسی کوچوں میں ابھی آوارہ گردی کر رہا ہے، جن میں پہلے آوارہ گردی کر رہا تھا یا آپ دل اور زبان دونوں سے اس کے ساتھ ہیں۔

(رودادِ جماعت اسلامی، حصہ چہارم)

احتیاط

ترجمان القرآن میں ضرورتِ استدلال کے لیے آیات و احادیث شائع ہوتی رہتی ہیں۔ قارئین سے گذارش ہے کہ جن اوراق پر آیات و احادیث ہوں، ان کا خاص احترام ملحوظ رکھیں۔

(ادارہ)

قوانینِ شریعت کی تدوین اور تنفیذ

نعیم صدیقی

نفاذِ شریعت کے خلاف جو نزاعات سامنے آتی رہی ہیں، ان میں خاصی اہمیت اس مسئلے کو حاصل ہے کہ قوانینِ شریعت کی تدوین ہونی چاہیے - آج کی زبان میں ضابطہ بندی کے بغیر نفاذِ شریعت ممکن العمل نہیں ہے - اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ چیز کئی حامیانِ شریعت کو بھی موجودہ تحریک کی مخالفت پر مجبور کر تی ہے[1]۔

میری پہلی گذارش تو یہ ہے کہ شریعتِ اسلامیہ کا قانون بہت بڑی حد تک تدوین یافتہ ہے اور جو کمی ہے اُسے بآسانی پورا کیا جا سکتا ہے - لیکن معترضین کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ بہت سے معاشرے غیر تدوین یافتہ قانون پر کار فرما رہے ہیں اور اب بھی ہیں -

برطانوی اور دوسرے تجربات یورپ میں تدوینِ قانون کی جو لہر چلی تھی، اس سے دو ملک غیر متاثر رہے - ایک امریکہ، دوسرے برطانیہ - ہم خاص طور پر اپنے سابق سامراجی آقا برطانیہ کو لیتے ہیں - اہلِ برطانیہ

[1] میرے لیے یہ بات ناقابلِ تصور ہے کہ شریعت جس سے ہمارا تعلق ایمانی ہے، اس کے بارے میں ہمارے کاموں میں کسی کمی یا کوتاہی کا رہ جانا، مسلمانوں کو شریعت ہی کا مخالف کر دے - نہایت افسوس ہے کہ کچھ لوگوں نے اخبارات میں نت نئی بحثا بحثی چھیڑ کر اور بعض ناموزوں کلمات و افکار کو پھیلا کر بڑی خراب فضا پیدا کر دی ہے - ایمانی طرزِ فکر کے بجائے نفسانی طرزِ فکر کام کرنے لگا ہے - اور سیکولرازم کے لیے راستے ہموار ہو رہے ہیں - لادینیت کو تقویت پہنچانے والے خادمانِ شریعت مسلمانوں کی ایک ایسی نئی قسم ہیں - جن کے لیے ہمارے پاس کوئی نام نہیں ہے۔

کے یہاں بنیادی قانون سرے سے مدوّن اور تشکیل یافتہ نہ تھا اور اب بھی نہیں ہے۔ نظامِ انصاف کی بنیاد بھی انہوں نے غیر ملفوظ روایتی یا عوامی قانون (CONVENTIONAL LAW) پر رکھی۔ اور مدوّن قانون (STATUTE LAW) کے مقابلے میں جب اس کا ذکر کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے: (UNWRITTEN-UNENACTED CASE LAW) یعنی غیر تحریری اور پارلیمنٹ کا پاس نہ کیا ہوا عدالتی نظائر پر مبنی قانون۔ اس غیر ملفوظ اور غیر مکتوب قانون کو برتنے کی پوری آزادی بڑی اور چھوٹی تمام عدالتوں کو حاصل رہی۔ یہ ملحوظ رہے کہ جب کوئی بالاتر عدالت ایک فیصلہ کر دے تو ماتحت عدالتیں اس کی خلاف ورزی نہیں کر سکتیں۔ اس طرح اعلیٰ سطح کے ججوں کے فیصلے محض نظائر ہی بن کر نہ رہ گئے، بلکہ وہ تحریری شکل میں ہونے کی وجہ سے قانونِ مدوّن بنتے چلے گئے۔ یہ کام بہت تدریج سے ہوا۔ پبلک یا پارلیمنٹ یا عدالتوں نے یہ مطالبہ نہیں کیا کہ پہلے ہمیں تمام قوانین مدوّن کر کے دو، پھر ہم انہیں نافذ کریں گے۔ بخلاف اس کے ہوا یہ کہ بڑے بڑے ماہر ججوں کے سامنے جب کسی بھی نزاع کے متعلق فریقین کے علمائے قانون بحثیں کر کے ایک ایک رائے اور ایک ایک لفظ اور ایک ایک نکتے کا علمی تجزیہ کرتے تو ان کی کاوشوں سے قانون کی تراش خراش ہو کر نوک پلک بن جاتی۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ انگریزوں کے پاس پرانی حکومتوں کے وضع کردہ چند پرانے منضبط قوانین (STATUTES) بھی موجود تھے جو متناقض و منتشر حالت میں تھے۔ ان کا ایک حصہ ۱۸ ویں صدی میں جمع کیا گیا اور بعد میں اس کارروائی کی تکمیل ۱۸۶۱ء میں جا کر ہوئی۔ علاوہ ازیں فوجداری امور اور تجارت سے متعلق کچھ ضابطے بھی موجود تھے۔

متذکرہ سیاسی مواد، کئی سال سے برطانوی پارلیمنٹ میں پاس ہونے والے قانونی نکات اور عدالتوں کے نظائر سے مل ملا کر آج برطانیہ کے پاس مضبوط نظامِ قانون موجود ہے، مگر اب بھی قانونِ اساسی (دستور) اور قانونِ ہرجانہ (LAW OF TORTS) کسی بل کی شکل میں مدوّن ہو کر پاس شدہ نہیں ہیں۔

۲ — ہمارے ملک کے افغان قبائل، نیز دنیا بھر میں پھیلے ہوئے قبائل اپنے ہاں جرائم کی روک تھام اور انصاف کے قیام کے لیے غیر ملفوظ اور غیر مدوّن قانون رکھتے ہیں، اس کے باوجود ان کی پنچایتوں یا جرگوں کی عدالتی کارروائی نہایت باقاعدگی سے اور کڑے انداز سے ہوتی ہے اور قبائلی معاشرے جرائم کی روک تھام میں متمدن معاشروں سے بھی زیادہ کامیاب ہیں۔

۳ ۔ ہمارے ملک کے وزیر قانون اقبال احمد خان سعودی عرب کا دورہ قانون و انصاف ہی کے سلسلے میں کر چکے ہیں ۔ انہوں نے بتایا کہ سعودی عرب میں کتاب و سنت سے الگ کوئی مدون قانون نہیں ہے، مگر نظام عدل بھی خوبی سے چل رہا ہے اور جرائم کا تناسب بھی دوسروں سے کم تر ہے ۔ ان کا نقطہ نظر یہ تھا کہ سعودی عدالتی نظام اس لیے خوبی سے چل رہا ہے کہ ان کے جج تعلیم اور تربیت کے لحاظ سے بہت پختہ ہیں ۔ اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ اصل مشکل قانون کا غیر مدون ہونا نہیں ہے، بلکہ ججوں اور مقننوں کی تعلیم و تربیت کا مضبوط ہونا ضروری ہے ۔ واضح رہے کہ آج ہمارے یہاں عدالتی افسروں (JUDITIAL OFFICERS) کی تربیت کا بہت اچھا انتظام موجود ہے، جس میں ڈگری کورسز اور ریفریشر کورسز (یا سہ ماہی وار اجتماعات برائے اسلامی عدالتی تربیت) منعقد کر کے شریعت کو نافذ کیا جا سکتا ہے ۔ معیارِ کار اور رفتارِ کار اور دائرۂ کار کو بڑھانے کی ضرورت ہے ۔

قانونِ شریعت کی تدوین

اس سلسلے میں بھی چند گذارشات برائے تفکر حاضر ہیں ۔

۱ ۔ شریعت اسلامیہ کا بنیادی اور اصولی قانون زیر شکلِ نصوص قطعی معین ہے اور بڑی حد تک معلوم عام ۔ فلاں چیز حلال ہے اور فلاں حرام ہے اور کسی حرام کو اگر برتا جائے تو آیا وہ اخلاقی گناہ ہوگا یا قانونی جرم ۔ اور قانونی جرم ہوگا تو چند بڑے جرائم کے لیے مقررہ حدود کیا ہیں؛ اور جہاں حدود نہیں ہیں وہاں تعزیر ہوگی جس کی کم سے کم درجہ اور زیادہ سے زیادہ مقدار کا تعین جج کرے گا یا اس سے بالاتر کوئی تدوینِ قانون کا ادارہ ۔

۲ ۔ بہر حال برطانیہ کے مقابلے میں ہماری پوزیشن بالکل ابتدائی اور اساسی سطح پر دسیوں گنا زیادہ مضبوط ہے ۔ پھر یہ کہ قرآن میں مذکور احکام اور قوانین پر ہمارے اسلاف کی مشہور کتابیں موجود ہیں جن میں عبارۃ النص، اشارۃ النص، دلالۃ النص اور اقتضائے نص کے تمام زاویوں سے قرآن کی ایک ایک آیتِ حکم و قانون اور اس کے ہر لفظ کو متعلقہ گرامر اور روایاتِ فصاحت و بلاغت اور کلاسیکل عربی ادب کے لٹریچر کی چھلنیوں سے چھان ڈالا گیا ہے ۔ اسی طرح شروحِ احادیث میں احادیث سے اخذ ہونے والے احکامِ متعلق بہ عقائد و عبادات و اخلاق و جرائم و تعزیرات و دیگر امور تفصیل سے پوری چھان پھٹک کے ساتھ درج کیے گئے ہیں ۔ اور تو اور، سیرت و مغازی

کی کتابوں تک میں جا بجا آنحضورؐ کی سنت سے ماخوذ احکام و قوانین مذکور ہیں۔ اس کی مثالیں اُردو میں بھی ہیں۔

۳۔ علاوہ ازیں مجھے ترکیہ کے مجلۃ الاحکام کی جو ایک مثال پیش کی جاتی ہے، اس سے پہلے اور بعد میں بے شمار کوششیں تدوین و ترتیبِ قوانین کی جاتی رہی ہیں۔ فقہاء کی مرتب کردہ بڑی بڑی کتب کا بھاری ذخیرہ ہے۔ ایک دور میں علمائے ماوراءالنہر کے فنون پر مبنی فتاوائے تاتارخانیہ ججوں یا قاضیوں اور وکیلوں یا مفتیوں کی رہنمائی کرتی تھی۔ پھر ابھی کل کی بات ہے کہ اس ملک میں اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں ۵۰ مامور کردہ علماء کے ذریعے فتاوائے عالمگیریہ مرتب ہوئی اور سرکاری طور پر اسے شرفِ نفاذ ملا۔ اس سلسلے میں میں چند اور کاموں کا ذکر کرنا چاہتا ہوں تاکہ معلوم رہے کہ ہم علمِ قانون کے لحاظ سے قلاش لوگ نہیں ہیں بلکہ اغنیاء اور منعموں میں سے ہیں۔ جس قوم کے پاس شمس الائمہ سرخسی کی المبسوط جیسی بھاری کتاب ہو جو دقیقہ رسی سے لکھی گئی ہے اور شامی یا درِمختار جیسی تالیف مہیا ہو اور جس کے اسلاف نے ہر موضوع اور مسئلہ اختلاف کو سامنے رکھ کر مستقل تصانیف مرتب کر دی ہوں، اس کے اخلاف کو گرفتارِ طلسمِ ہیچ مقداری نہ ہونا چاہیے۔ خیر دورِ ماضیہ کو بھی ایک طرف رکھیے۔ ترکیہ میں مجلۃ الاحکام العدلیہ ۱۸۷۶ء میں تکمیل پذیر ہوا اور اس میں نہ صرف جدید ضروریات کو ملحوظ رکھا گیا ہے بلکہ مغربیت اس کے اندر خاصی نفوذ کیے ہوئے ہے۔ ستم ہے اگر اس کو علماء کی قدامت پسندی کا نمونہ قرار دیا جائے۔ گورایہ صاحب جیسے عالم آدمی سے اختلاف کرتے ہوئے بڑی ہچکچاہٹ ہوتی ہے۔ مگر سچی بات یہ ہے کہ مجلہ میں نہ صرف مغربی اثرات ہیں، بلکہ اس میں چند پہلوؤں کی کمی ہے، پھر بھی اس کا سقوط کسی پبلک مطالبے کی صورت میں نہیں ہوا، بلکہ ۱۹۲۳ء میں (یعنی کتاب کی تیاری کے صرف ۴۷ برس بعد) اتحاد و ترقی کا کمالی انقلاب برپا ہوا اور اس نے سابق قوانین اور نظامِ عدل کو معطل کر دیا۔ اس حقیقت کو سامنے رکھے بغیر بات کریں تو کہیے کہ ترکیہ کے اجتماعی اجتہاد سے عربی اذان موقوف کر دی گئی اور عربی زبان کی تعلیم کا خاتمہ کر دیا گیا یا ہیٹ اور سوٹ پہننا لازم اور عورتوں کے لیے امتناعِ پردہ کا فرمان جاری کر کے گویا شریعت میں اجتہاد کر دیا گیا۔

ترکی کے تسلط سے مصر کے نکلنے کے بعد جامعۂ ازہر کے ایک شیخ نے مجموعۂ قانونِ شریعت مرتب کیا۔ پھر ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی کی ایک اسکیم کے مطابق مصر میں فقہی انسائیکلوپیڈیا کی تدوین ہوئی۔ اُردن

میں " القانون المدنی " کے نام سے شریعت کے سول لاکو ۱۹۷۰ء میں مدون کیا گیا ۔ یمن میں آج بھی ترکیب والے مجلۃ الاحکام کے طرز کا ایک مجموعہ قوانین چل رہا ہے ۔ پھر کویت کی وزارتِ اوقاف نے ایک اور فقہی انسائیکلوپیڈیا شائع کرنا شروع کیا جس کی چار جلدیں آ چکی ہیں ۔ یہ بالکل زمانہ حال کا کام ہے اور ایسی متفرق خدمات اور بھی ہیں ۔ مثلاً عبدالقادر عودہ شہید کی (جو خود مصری جج تھے) مرتب کردہ کتاب " اسلام کا قانونِ فوجداری " ترجمہ ہو کر اُردو میں بھی موجود ہے ۔ ڈاکٹر عبدالعزیز عامر کی کتاب " التعزیر فی الاسلام " ہے ۔ مصطفیٰ زرقا نے کمپنی لا اور لیبر لا اور اس طرح کے خاص قوانین کو جمع کر کے " المدخل الفقہی العام " لکھی جو خراج تحسین طلب کرتی ہے ۔ اُردو میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے اسلام کے دستوری قانون ، قانونِ حراست ، قانونِ جنگ ، ضابطہ حقوقِ انسانی ، اقلیتوں کے حقوق ، حقوق الزوجین ، اسلامی قانونِ کفالتِ عامہ اور متعدد دیوانی اور فوجداری قوانین پر مواد مہیا کیا ہے ۔ علاوہ ازیں مرکز البحث العلمی والتراث الاسلامی ، مکۃ المکرمہ سے موسوعہ فقہ ابی بکر صدیقؓ ، موسوعہ فقہ عمرؓ ، موسوعہ فقہ عثمانؓ ، موسوعہ فقہ علیؓ اور موسوعہ فقہ عبداللہ بن مسعودؓ کا ایک سلسلہ شائع ہو چکا ہے ۔

اُوپر کی گذارشات کی روشنی میں فرمایئے کہ کیا آج ہم لوگ اس قابل نہیں ہے کہ ویسا ایک مجموعہ آج کی ضروریات کو مدِنظر رکھ کر مرتب کر لیں ۔ ہاں البتہ ایک مشکل ہے کہ متذکرہ مجموعوں کو اوّلاً جب عوام کے معتمد علیہ علمائے شریعت نے مرتب اور پاس کر دیا تو پھر نہ اخباری بحثیں تھیں ، نہ اسٹیج اور منبر کی نکتہ آفرینیاں ۔ آج کی مشکل یہ ہے کہ صرف شریعت کے معاملے میں جاننے والا اور نہ جاننے والا ، ان پر عمل کرنے والا اور اس کے بالکل اُلٹ چلنے کا ، اس کے نفاذ کا حریص اور اس کے نفاذ کا حریف ، سب کے سب جمہوری مساوات کے طلسم میں اسیر ہیں ۔ نتیجہ یہ ہے کہ بحث در بحث اور اختلاف در اختلاف درپیش ہے جس کی کوئی حدو نہایت نہیں ہے ۔

۴ — آج بھی تدوینِ قانون کا اتنا وقیع اور شاندار کام خاص مقدار میں ہو چکا ہے کہ اگر اس سے استفادہ کیا جائے ، اسے نافذ کرنے کی کوئی راہ نکالی جائے تو ایک تو بہترین شکل میں کار مطلوب حاصل ، دوسرے دولت اور وقت کی مزید اضاعت سے بچاؤ ۔ اسلامی نظریاتی کونسل میں ہر طبقے کی نمائندگی تھی ، اختلافی گروہوں کے متوسلین نے باہم فیصلوں پہ اتفاق کیا اور مدونہ

قوانین کے اوراق کا ایک انبار لگا دیا۔ ڈاکٹر تنزیل الرحمن اور بعض دیگر اصحاب کے تسوید کردہ قوانین کے مجموعے بھی شائع ہوئے۔ مگر دوسری طرف سے "میں نہ مانوں" کی رٹ جاری رہی۔ غالباً بیشتر دانشوروں نے ان چیزوں کو پڑھنا تو کجا، دیکھا بھی نہ ہو گا۔

جھگڑے کا ایک نیا دروازہ یہ کھلا ہے کہ قانونِ شریعت کی تدوین کرنا تو ان لوگوں کا حق ہے جو منتخب ہو کر آئے ہوں۔ سو اب ہم یہ بحث اٹھاتے ہیں کہ پارلیمانی اور عدالتی دونوں طریقوں میں قانونِ شریعت کے تعین کے لحاظ سے کیا فرق ہے۔

۵۔ یہ بات ریکارڈ پر رہنی چاہیے کہ برصغیر میں ابتداً اسلامی قانون کی تدوینِ نو پر جس شخص نے "سہ وارہ، الٰہ آباد میں" (جماعتِ اسلامی کے کل ہند اجتماع کے موقع پر ۱۹۴۳ء میں) ماہرین قانون کی مجلس بلا کر بحث کی تھی وہ تھے سید مودودی رحمۃ اللہ علیہ۔

تنفیذ شریعت بواسطہ پارلیمان یا بذریعہ عدلیہ | چند قابلِ غور نکات عرض ہیں:

۱۔ تشکیلِ جدید الٰہیات اسلامیہ میں یہ خیال پہلے پہل علامہ اقبال نے پیش کیا کہ اس دور میں اجتہاد نمائندہ جمہوری مجلس کے ذریعے ہونا موزوں ہے۔ بات بڑی فلسفیانہ بھی تھی اور اس میں اپیل بھی تھی، بلکہ خود یہ خیال ایک اجتہادی خیال تھا جس سے پڑھے لکھے طبقوں نے بڑی دلچسپی لی۔ خصوصاً ترکیہ کے کمالی انقلاب نے جب خلافت کے ڈھانچے کو منہدم کر دیا اور انجمن اتحاد و ترقی کے زیرِ اہتمام ایک آمرانہ جمہوریت کا ایوان تشکیل پایا تو اس پس منظر میں پارلیمانی اجتہاد کے نظریے کا غبارہ کچھ زیادہ پھول گیا۔ اقبال کو خود بھی ترکیہ کے تجربے سے بڑی دلچسپی تھی اور ہمارے عوام بھی روایتی ادارۂ خلافت کے مٹ جانے کے غم کو غلط کرنے کے لیے یہ امید لگا بیٹھے کہ اب مصطفیٰ کمال کی سرکردگی میں ترکوں کا ایمانِ اسلام کو جدید ضروریات سے ہم آہنگ کر کے نافذ کرے گا۔ لیکن کیمیاگر کی کٹھالی پر جو صد ہزار اہلِ نظر اس نظارے کے لیے نظریں جمائے ہوئے تھے کہ معاشرے کا رانگا اس میں سے زرِ خالص بن کر نکلے گا وہ یہ دیکھ کر بالکل حواس باختہ ہو گئے کہ رانگے سے بھی گئے۔ اقبال جیسا حکیم نے نواز پکار اٹھا کہ "لادینی و لاطینی کس پیچ میں الجھا تو" اور یہ کہ:

نو نگردد کعبہ را رختِ حیات — گر ز افرنگ آیدش لات و منات
ترک را آہنگِ نو در چنگ نیست — تازہ اش جز کہنہ افرنگ نیست

ظہورِ اسلام کے اصل مقصد کو کسوٹی بنا کر جب اقبال نے عالمِ اسلام کے ممتاز حکمرانوں کو پرکھا تو نتیجہ یہ بتایا کہ ع

نہ "مصطفیٰ" نہ "رضا شاہ" میں نمود اس کی

یعنی پارلیمان کے ذریعے نفاذِ شریعت یا تدوینِ شریعت یا اجتہاد کا واحد تجربہ بُری طرح ناکام ہوگیا۔

۲- اب پاکستان کے دانشوروں کی طرف سے اسی نظریے کی پھر بڑی رَٹ ہے۔ حالانکہ شریعت کے احکام کی تدوین جس نیت، جس کردار اور جس علم سے ہوسکتی ہے وہ پارلیمان کے چند سو افراد میں حسبِ ذیل وجوہ سے نہیں پائی جاتی:

ا- پارلیمان میں جو لوگ جاتے ہیں وہ اس معیار پر نہیں پُنے جاتے کہ وہ مخلص ہیں، اسلامی اخلاق رکھتے ہیں اور علومِ شرعیہ پر حاوی ہیں۔ ہمارے نظامِ انتخاب میں اس کا کوئی اہتمام نہیں ہے۔

ب- پارلیمان کے ارکین یا تو مختلف پارٹیوں کے نمائندہ ہوتے ہیں (چاہے انتخاب بظاہر غیر جماعتی ہوں) یا خاص خاص طبقوں اور گروہوں اور علاقوں کے ترجمان۔ وہ ووٹ لینے کے لیے عوام سے طرح طرح کے وعدے کر کے آتے ہیں، ان کے لیے قسم قسم کے جائز اور ناجائز کام کرتے ہیں، اپنے اپنے منشور یا پروگرام کے لیے رسہ کشی کرتے ہیں، عمل اور ردِعمل میں گرفتار رہتے ہیں۔ جذباتی بحثیں کرتے ہیں۔ ایک ایک فقرے سے اور شعر سے منزلیں طے کر دکھاتے ہیں۔ اپنے مخالفین کو ضابطے یا بے ضابطہ طریقوں سے بات کرنے سے روکتے ہیں۔ ہر کوئی اپنے اپنے خیالات کو حامی اکثریت کے بل پر منواتا ہے۔ کشمکشِ متضاد کے ایسے ماحول میں قانونِ شریعت کی تحقیق و تدوین کیا ہوگی؟

ج- معاشرے کے وہ اہم ترین مسائل مثلاً زرعی ملکیت، دولت کی تقسیم اور اسراف و تبذیر بلکہ رشوت، وسفارش اور خود اہلِ اختیار (عہدہ داروں اور افسروں) کی وہ لوٹ مار جس کے نتیجے میں وزیرِ خزانہ کے بقول قوم کا چالیس ارب روپیہ ہر سال ضائع ہوجاتا ہے۔ کیا اسے روکنے کے لیے وہ لوگ قانون سازی ضابطہ بندی اور پالیسی گری کرسکتے ہیں جو یا تو خود قومی دولت کی بہتی گنگا میں مچھلیاں پکڑتے ہیں، یا ایسے لوگوں کے روپے اور ان کی حمایت

سے ممبری پاتے ہیں جو اپنے جالوں میں خود انسانوں تک کا شکار کرتے ہیں۔ کچھ وہ شریعت پسند لوگ بھی ہو سکتے ہیں جو صیادانِ مفاد کے کسی گروہ کے گٹھ جوڑ کے ذریعے کامیاب ہوتے ہوں۔ باقی اگر کوئی سچا خدا پرست ہوگا تو اسے اگر کبھی بات کرنے کا موقع مل بھی جائے تو وہ آہ و فغاں کے سوا کیا کرے گا۔ اور اگر دو چار منٹ کے لیے وہ بہترین انداز سے جوہر خطابت دکھا بھی لے گا تو آہنی قلعۂ مفاد کو تو کوئی خطرہ نہیں، البتہ اس کے قلعداروں کو ایک موقع تفریح مل جائے گا۔

۲۔ اُوپر ہی کے نکات کی وضاحت کے لیے گذارش ہے کہ جس منتخب جمہوری ایوان میں سود کا کاروبار کرنے والے لوگ موجود ہوں، اسمگلر ہوں، بلیک مارکیٹیے ہوں، ہارس ریس کے قمار باز ہوں، محکمۂ انکم ٹیکس اور کسٹم کے افسروں سے سانٹھ گانٹھ کر کے قومی خزانے سے چوری کرتے ہوں، مجرموں کے سرپرست ہوں، خود اپنی تاریخ جرائم رکھتے ہوں، خیانت کار افسروں کے بھائی بیٹے ہوں، وڈیروں کے سالے اور داماد ہوں، وزارتوں اور ممبریوں کے زور سے مال بناتے ہوں، اور سفارشوں کے زور سے مختلف محکموں کے افسروں کو پبلک کے حق میں ترکِ انصاف پر مجبور کر دیں، ٹھیکیداروں سے کمائی کریں، اپنے بچوں اور عزیزوں اور سیاسی حامیوں کو ناجائز فوائد پہنچائیں، علاقائی اور نسلی اور لسانی نعروں پر ووٹ لے کے آئے ہوں، ووٹوں کے لیے پیسے بھی خرچ کیے ہوں، جعلی بھگتان بھی کیے ہوں، جھوٹے وعدے اور جوڑ توڑ کیے ہوں، عوام فریب نعرے بلند کیے ہوں۔ دوسروں کے خلاف غلط الزام لگائے ہوں اور گھٹیا زبان استعمال کی ہو، بلکہ غنڈوں کے ذریعے فائرنگ تک کرا دی ہو، ایسے لوگوں کے متعلق کیا یہ اُمید لگائی جا سکتی ہے کہ اگر ان کو علم فراہم بھی ہو جائے تو ان میں اتنی خدا خوفی ہوگی کہ قانونِ شریعت کی جزئیات کو طے کرتے ہوئے وہ یہ خیال رکھیں کہ بات وہ طے ہو جو خدا کی رضا اور رسولؐ کی سنت سے قریب ترین ہو۔ ؟ ایسے دو سو یا چار سو آدمیوں کے ایوان سے آپ ویسی ہی بجنا بجتی حاصل کر سکتے ہیں جیسی شریعت بل کے بارے میں موجود رہی ہے۔

۳۔ پھر یہ بھی ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ کوئی فلمسٹار اور کوئی ٹی وی آرٹسٹ ایوان میں آتا ہے، کوئی زمیندار یا وڈیرہ ہے، کوئی دکاندار ہے، کوئی ڈاکٹر ہے، کوئی کمیونسٹ ہے، کوئی قادیانی ہے، کوئی انتہائی فرنگیت زدہ ہے، کوئی صوبائیت پرست ہے، کوئی سیاست

بن جلاؤ گھیراؤ کے طریقے برتنے والا ہے — چلیے ان میں چار، چھ وکلا اور دو ایک علماء بھی ہیں۔ ذرا عقلی جائزہ لے کر فرمائیے کہ کیا کسی ایک شرعی قانون کی بھی مکمل دفعات اسلام کے اپنے مطالبوں کے مطابق پاس ہو سکتی ہیں؟ ہوں تو ایک موضوع پر قانون سازی کے لیے کتنی مدت چاہیے؟

میرے خیال میں اس قسم کے "معجون مرکب" ایوان میں عام قوانین کا پاس ہونا تو قابلِ عمل ہے، کیونکہ نمونے کے رائج الوقت قانون موجود ہیں، ان کی تفصیلات اپنے جی سے گھڑی ہوتی ہیں اور جن نکات پر بھی اکثریت متفق ہو جائے وہ چل جائیں گے۔ لیکن شریعت کا قانون جس کا مطالعہ اور جس پر تحقیق و کاوش اور جس کی تسوید و تدوین اور جس کا نفاذ خدا کی عبادت میں داخل ہے، اس میں ہر موضوع پر اُصول و حدود اور مقاصد و غایات متعین ہیں اور ان محکم خطوط کو قائم رکھ کر ان کی پابندی میں سوچنا علم اور تقویٰ کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ ورنہ حلال و حرام کی تقسیم میں فرق آجائے گا اور کئی واجب اُمور مندوبات میں چلے جائیں گے اور کئی ممنوعات واجب قرار پا جائیں گے۔

اس قسم کے ایوان میں پہلے آپ یہ اندازہ لگائیں کہ سرے سے مخالفینِ شریعت کتنے ہیں اور پھر جو حامیان ہیں ان میں بھی کتنے ہیں جو کسی معمولی اختلاف کی وجہ سے بھی مخالفت کریں گے۔

کہا جا سکتا ہے کہ اصل میں حکمران یا پارٹی اپنی اکثریت کے بل پر قانون سازی یا ضابطہ گری کی کارروائی کو کامیابی سے چلاتی ہے۔ مگر شریعت کو مدنظر رکھ کر یہ اندازہ کرنا ضروری ہے کہ کتنے لوگ حکمران اکثریت میں ایسے ہیں جو اسلامی قانونِ شریعت کے لیے کوئی بے چین سا جذبۂ ایمانی رکھتے ہیں؟ اور دوسری جانب کتنے ایسے ہیں جو "سیکولر اسلام" یا "مسلمانی بلا عملی اسلام" کے آرام دہ تصور کو لپنا کرتے ہیں؟ پھر وہ تعداد کتنی ہے جو اسلامیت کے کم سے کم درجے میں دو، چار، دس اہم ترین مطالبات کی پابندی کرتی ہو؟ اس کے بعد ریاضیاتی انداز سے تجزیہ کر کے کسی نتیجے تک پہنچیں کہ کیا شریعت کے لیے ایوان میں قانون سازی کا ہونا سہل ہے، بلکہ سرے سے قابلِ تصور بھی ہے؟

لے دے کے یہی ہو سکتا ہے کہ وزارتِ قانون، وزارتِ مذہبی اُمور یا مخصوص شریعت کمیٹی کو کام تفویض کیا جائے۔ مگر ان ساری صورتوں میں شرائطِ مطلوبہ کا پورا ہونا اور متذکرہ بالا خطرات سے بچ نکلنا امر محال ہے۔

۴۔ قانونِ شریعت کی تنفیذ کا دوسرا راستہ عدلیہ کا ہے۔ اس میں صورتِ ترجیح صرف یہ ہے کہ نسبتاً ایک مختصر مجلس جس کے اساسی شرکا تین ہوتے ہیں ـــــ ایک جج، دوسرا مدعی اور تیسرا مدعی علیہ۔ مدعی اور مدعیٰ علیہ بھی اپنی طرف سے ایک ایک مستند درجے کا ماہر قانون پیش کرتے ہیں۔ اس طرح دو ماہرینِ قانون جج کے سامنے کسی نزاع کے دو پہلوؤں پر قانونی مواد مع حوالوں اور ضروری کتابوں کے فراہم کر دیتے ہیں۔ تیسرا فریق جج خود بھی دونوں پہلوؤں کے متعلق تفصیلی مطالعہ کر کے کرسئ عدالت پر بیٹھتا ہے۔ بحث دو چار دن چلے یا پندرہ بیس دن، مسئلے کی پوری چھان پھٹک ہو جاتی ہے اور تحقیقات کا نچوڑ فیصلے میں آجاتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس راستے سے نفاذِ شریعت کا عمل تیزی سے ہونے لگتا ہے۔ ذرا اپنی تاریخ سے شہادت طلب کیجیے۔ حضور نبی اکرمؐ کے دورِ سعادت سے لے کر دورِ خلافتِ راشدہ تک قانونِ شریعت مدوّن نہ تھا، مگر نفاذِ شریعت افراد کے معاملوں میں بھی اور سرکاری افسروں اور ملازموں کے بارے میں بھی، جنگ و صلح کے اُمور کے بارے میں بھی بلا روک ٹوک عمل میں آیا۔

بعد کے ادوار میں آہستہ آہستہ قانون کے مختلف دائروں کے متعلق امہات الکتب وجود میں آئیں، مگر اس معنی میں کسی پارلیمانی نظام کے ذریعے، نافذ شدہ قانون مدوّن نہیں ہوا جس معنی میں آج بات کی جارہی ہے۔ قاضی (جج)، اور مفتی (قانون دان) اور فقیہ تین گوشے نظامِ قانون کے تھے۔

خود برصغیر میں مغلوں کے دور میں قانونِ شریعت چلتا رہا۔ ریکارڈ بتاتا ہے کہ جنگ بکسر ۱۷۶۴ء کے بعد مغل شہنشاہِ اعظم نے ایک فرمان کے ذریعے بنگال، بہار اور اڑیسہ کے معاملاتِ دیوانی کو طے کرنے کے حقوق ایسٹ انڈیا کمپنی کو تفویض کرتے ہوئے یہ شرط عاید کی تھی کہ کمپنی اسلامی شریعت کے مطابق فیصلے کیا کرے گی۔ چنانچہ ۱۸۵۷ء تک اس پر عمل در آمد جاری رہا۔ بعد میں انگریزی قانون کا دور دورہ شروع ہوا۔ دلچسپ بات یہ کہ مغلیہ عہد میں نوابانِ اودھ بھی سنی فقہ کے مطابق شریعت کے فیصلے نافذ کرتے تھے۔

۵۔ ایک طریقۂ تنفیذِ شریعت یہ ہے کہ علم و اخلاق کے لحاظ سے معتمد علیہ سرکردہ و نمائندہ علما کی کمیٹی یا کونسل اس امر کے لیے مقرر کی جائے کہ وہ سابق قوانین کی اصلاح یا ترمیم یا نئے قوانین کی تسوید و تدوین کرے، پھر یہ اپنا کام پارلیمنٹ کو بھجوائے، پارلیمنٹ لا منسٹری سے جدید قانونی زبان و

ترتیب کے پہلو سے مشورہ لے۔ پھر کوئی چیز اگر اصل مواد کو متاثر کرتی ہو تو ایک مرتبہ کسی قانونی مسودے کو تحریری نوٹ کے ساتھ شریعت کمیٹی کو بھیجا جائے، پھر وہاں سے قانون کی جو دفعات جس شکل میں طے ہو جائیں ان کو پارلیمنٹ نافذ کر دے۔

یہ تجربہ ایران میں جاری ہے اور پاکستان میں بھی اس کو اہمیت ملی ہے۔ اور علماء کے بورڈ، کمیشن یا کونسل کے قیام کا سلسلہ جاری رہا ہے۔ آخری دور میں جو اسلامی نظریاتی کونسل بنی ہے۔ اس نے بڑے اچھے معیار سے بڑی وسیع مقدار میں کام کیا ہے اور طے شدہ مسودوں پر مجموعی طور پر مختلف مکاتبِ فکر کے اہلِ علم کا اتفاقِ رائے حاصل کیا ہے۔

مگر کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اس سے جمہوریت کی توہین ہوتی ہے۔ توجہ حصولِ مراد پر نہیں، بلکہ بحث ایک شکل کا رد اور دوسری شکل کا رد میں ہے۔ یہ تو کوئی صحت مندانہ تعمیری طرزِ فکر نہیں۔

اگر اس صورت کو قبول کیا جائے تو پھر مولانا تقی امینی صاحب کی اس رائے سے مجھے اتفاق ہے کہ کچھ تدوین یافتہ قوانین کو لے کر عدالتوں کے ذریعے شریعت کا نفاذ کر دینا چاہیے۔ اس طریقِ نفاذ میں ایک دن کی بھی تاخیر نہیں ہوگی۔

زیادہ سے زیادہ یہ کرنا پڑے گا کہ بعض پیچیدہ مسائل، مثلاً مسائلِ اراضی، غیر معمولی ارتکازِ دولت کی بعض شکلیں یا دولت کے استعمال، یا انتخاب میں ایک مضبوط اخلاقی معیار کے بغیر اُمیدوار بننے پر پابندی، یا متناسب نمائندگی کے سسٹم کا نفاذ یا ملک کے بنیادی یونٹ کمشنریوں کو قرار دینا یا بنکاری کو سُودی نظام سے کُلی طور پر پاک کرنا، ایسے اُمور ہیں جن کے لیے نئے فیصلوں کو قدرے مؤخر بھی رکھا جا سکتا ہے۔

اِس صورت میں اُوپر سے تدوین یافتہ قانون بھی آتے رہیں گے اور عدلیہ بعض معاملات میں قرآن و حدیث اور سابق لٹریچر کو سامنے رکھ کر محتاط اجتہادی نقطۂ نظر سے فیصلے کرتی جائے گی۔ دونوں طرف کا کام آہستہ آہستہ ایک ہو جائے گا۔

عام عدالتوں کے متعلق ایک بڑا اعتراض یہ ہے کہ جس کا جو جی چاہے گا، فیصلہ دے گا اور متضاد فیصلوں کی وجہ سے انتشار پھیل جائے گا۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ مجسٹریٹوں اور ججوں کو اپنی کارروائی مقررہ قانونی اسلوب سے کرنی ہوتی ہے اور فیصلے نعروں، سلوگنوں کے بجائے دلائل اور حوالوں کے ساتھ لکھنے ہوتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ ان کی خام رایوں اور ناقص فیصلوں پر نہ صرف اُوپر سے وقتی گرفت ہو سکتی ہے یا کسی اپیل کے فیصلے میں ان

کے خلاف ریمارک لکھے جاسکتے ہیں، بلکہ ان کی ترقی میں رکاوٹ پیدا ہو سکتی ہے، اور بالآخر وہی امکان تنزلی اور برطرفی کا بھی ہے۔ وہ غلطی کریں بھی تو کسی فریق کے اپیل کرنے پر ہر معاملہ درست ہو سکتا ہے اور پھر عدالتِ برتر سے نیچے کی کوئی عدالت اپنی من مانی نہیں کر سکتی۔

شریعت یا لادینیت

اصل مسئلہ یہ ہے کہ آج ہم ایک نظامِ باطل یا غیر اسلامی قانون کے تحت پچھلے لمبے زمانے سے وقت گزار رہے ہیں۔ اس مخالفِ شریعت نظام پر سب راضی مطمئن ہیں۔ بس سارا قضیہ تو شریعت کے نفاذ کے اندیشے سے پیدا ہوتا ہے۔ حالانکہ جو لوگ سمجھتے ہیں کہ فلاں کا نظریۂ شریعت ہمیں قبول نہیں اور فلاں کا نقطۂ نظر ہمارے ایمان و تقویٰ کے خلاف ہے۔ ان کے ایمان و تقویٰ کو مروّج مسلّط قانون کیوں ہضم ہو جاتا ہے۔ کچھ وہ ہیں جو اختلافات کو دلیل بناتے ہیں شریعت سے گریز کی۔ حالانکہ جمہوری سسٹم ہو یا فلسفیانہ مباحث یا ادبی تصورات یا معاشی اور نفسیاتی مسائل، اختلاف تو ہر دائرے میں ہیں۔ موجودہ پارلیمنٹ میں وفاق اور صوبوں میں، گروہوں اور افراد اور ایڈیٹروں میں اتنے اختلافات ہیں کہ اگر ان کو اخبارات کے صفحات سے خارج کر دیا جائے تو شاید اشتہار ہی باقی رہ جائیں۔

دوسری ہر چیز اختلافات کے ساتھ قبول ہو جاتی ہے، مگر شریعت نہیں۔ حالانکہ شریعت اگر نافذ ہو تو اس الٰہی قانون کے لیے جو عقیدت مندی پائی جاتی ہے۔ وہ آہستہ آہستہ اہلِ اختلاف و افتراق کو بھی قریب کر دیتی ہے۔ جیسے کہ اوپر مثال بیان کی گئی کہ شیعہ خانوادوں نے سنّی نقطۂ نظر سے مرتبہ فقہ کو نافذ کیا۔

تیسرا ترسنگا اجتہاد کا ہے جسے بار بار پھونکا جاتا ہے کہ پہلے اجتہاد کے دروازے کھولو بلکہ اجتہاد کرو، کرو ہی نہیں کرنے دو...... اور پھر شریعت کا اجرا کرنا۔ یعنی پہلے کشتیاں تیرائی جائیں اور بعد میں دریا بہایا جائے۔

اللہ کے بندو! پہلے اجتہاد کے عمل کی اس حقیقت کو تو سمجھو کہ کسی نظامِ قانون کا جب اجرا ہوتا ہے تو وہ نت نئے نئی کونپلیں نکالتا ہے۔ مثلاً آج کا قانون، یا پیچھے ہٹ کر دیکھیں تو بنیادی طور پر اینگلو سیکسن سسٹم آف لا، یا یورپ کے وہ تمام قوانین جو رومن لا پر مبنی ہیں یا روس اور دوسرے تمام ملکوں کے جدید یا قدیم قوانین...... وہ جہاں جہاں بھی چل رہے ہیں، ضروریات مجبور کرتی ہیں کہ ان کے اندر بذریعہ پارلیمان بھی اور بذریعہ عدلیہ بھی ہر صبح و شام اجتہاد ہو۔ آپ تو شریعت کے دریا کو روکے کھڑے

ہیں، اس کے آگے بند بندھا ہے اور محبانِ شریعت سے مطالبہ یہ ہے کہ پہلے موج و گرداب پیدا کرو، پھر ہم بند کھولیں گے۔

اجتہاد کے بارے میں تصور کی ایک غلطی یہ بھی ہے کہ چونکہ سارے مسلمان مساوی ہیں لہٰذا ہر ایک کو اجتہاد کرنے کا حق حاصل ہے۔ اجتہاد کرنا نہ ہوا، گھاس کھودنا یا کنکوا اُڑانا ہو گیا۔ اگر ایک دُھنیا ہوائی اڈے پر جا کر تقاضا کرے کہ میں پائلٹ کی کرسی پر بیٹھ کر بوئنگ طیارہ اُڑاؤں گا۔ یا آرا مشین کا مستری نہا دھو کر عدالت میں پہنچے اور رجسٹرار سے کہے کہ شام کے دو چار گھنٹے میں عدالت کی مسند کو رونق بخشوں گا۔ یا ایک ڈنٹسٹ لوگوں کے دانت نکالنے اور دانتوں کو ٹانکا لگانے یا اُن کی صفائی کرنے کے بعد یہ تفریح چاہے کہ کچھ وقت میں اٹامک آلات کی تیاری میں صرف کرنا چاہتا ہوں — اور ان میں سے کسی کو کہا جائے کہ یہ کام آپ کے کرنے کا نہیں ہے تو وہ کہے کہ کیا میں سب کے برابر نہیں ہوں؟ میرے حقوق سب کے ساتھ ایک جیسے نہیں ہیں؟

تمدن کے اداروں اور مشغلوں کا اُصول یہ ہے کہ ہر کام کے لیے ایک صلاحیت درکار ہے۔ یہ بات دوسرے ہر معاملے میں تسلیم شدہ ہے، مگر شریعت کی پیچیدہ و نازک مشینری کو چھیڑنے اور اس میں اضافے کرنے کے لیے ہر مدرس، ہر شاعر اور ہر دانش ور اپنے آپ کو پورا پورا اہل سمجھتا ہے، بلکہ ان لوگوں کو اس بات پر یہ رنج بھی ہے کہ مولویوں، ملاؤں کے طبقے نے قانونِ شریعت اور اجتہاد وغیرہ پر اپنا اجارہ جما کر ہمیں ہمارے حق سے محروم کر رکھا ہے، یہ ہمیں اجتہاد نہیں کرنے دیتے، ورنہ ہم اسلام کے آفاقی اُصولوں کی مدد سے مشرق و مغرب اور کفر و دین کا فرق مٹا کر پل بھر میں تمام مسئلے حل کر دیں۔ حالانکہ ان مدعیانِ اجتہاد سے جو دو تین سرخیل آگے آگے چل رہے ہیں وہ اصلاً سیکولرازم، یا "سیکولر اسلام" چاہتے ہیں اور اپنی موجودہ عادات اور مفاد کو جوں کا توں برقرار رکھنے کی گنجائش نکالنا چاہتے ہیں۔ ایسے مقاصد کے لیے اتنے بڑے اجتہاد کی ضرورت ہے جتنا بڑا کوئی عالم قدیم صف میں موجود نہیں ہے۔ جدید مجتہدین کا انداز گفتگو ایسا ہے کہ گویا۔

"اگر ہم باغباں ہوتے تو گلشن کو لٹا دیتے۔"

اجتہاد کا کام لمبی لمبی چھلانگیں لگانے کا نہیں ہے۔ یہ تو اس انداز سے واقع ہوتا ہے جیسے بیج سے تنا، تنے سے شاخیں، شاخوں سے پتے اور کونپلیں نمودار ہوتی ہیں اور ہوتی رہتی ہیں۔

بد قسمتی سے ہمارے جدید اجتہادیوں کو زیادہ جوش دلانے والا گروہ خود مدعیانِ شریعت کا ہے جو اپنی اپنی فقہ کے قدیم سے قدیم جزئی فیصلے کو دانتوں سے پکڑے ہوئے ہیں۔

اصلاح کی صورت صرف اسلامی نظریاتی کونسل کے طرز کا کام ہے، جس میں علمائے مختلف الخیال بھی ہیں اور ماہرینِ حالاتِ حاضرہ بھی۔ یہ لوگ جدید ضروریات اور پیچیدگیوں اور تقاضوں کو واضح کریں اور اوّل الذکر گروہ اسلامی قانون کے اصولوں اور ان کے متعلق تفاصیل بتائے۔ تب باہمی تبادلۂ خیال کے بعد قانون کی تدوینِ جدید اور کسی قدر اجتہادی کارروائی ہو سکتی ہے۔

ایک سوال یہ بھی سنتے ہیں کہ چونکہ معاشرہ شریعت کے معیار کا نہیں، لہٰذا اس میں نفاذِ شریعت کی کوشش کرنا بے کار ہے۔ یوں بات کی جائے تو معاشرہ تو ٹریفک کے قوانین و قیود میں چلنے کے قابل ہی نہیں، لہٰذا کیا یہ مناسب ہوگا کہ ٹریفک کا قانون ختم کر دیا جائے، سڑکوں کی سرخ بتیاں اکھیڑ دی جائیں اور ٹریفک کنسٹیبل ہٹا دیئے جائیں۔ معاشرہ تو صفائی کے تقاضے پورے کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا، پھر کیا صفائی کے انتظامات ختم کر دیئے جائیں؟ معاشرہ میں تشدد اور جرائم میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے، لہٰذا اس سے یہ دلیل نکالی جا سکتی ہے کہ جرم و جارحیت کی روک تھام کے ادارے اور قوانین ختم کر دیئے جائیں؟ ٹھیک ہے کہ ضروری نہیں شریعت کی صد فی صد برکات ہمارا معاشرہ پہلے قدم پر حاصل کر لے، ممکن ہے کہ دس فی صد تک حاصل کرے، پھر کچھ عرصے میں بیس فیصد، پھر آگے، پھر اور آگے۔ اگر ہمیں معاشرے کو ہمیشہ کے لیے اسی طرح بیمار نہیں رکھنا ہے تو علاج کرنا ہی ہوگا، خواہ زیادہ دیر لگے۔ اور علاج یقیناً تنہا قانونی نظام سے نہیں ہوتا بلکہ افراد کی تعلیم اور قوم کی اجتماعی اخلاقی تربیت کی مہم بھی ساتھ ساتھ ہونی چاہیے۔

خطرہ یہ بھی ظاہر کیا جاتا ہے کہ کوئی خاص گروہ، کسی خاص نقطۂ نظر کو قوم پر مسلط نہ کر دے۔ یہ خطرہ تو ہر دائرے میں ہر وقت پایا جاتا ہے۔ کوئی فرم ہو یا تعلیم گاہ ہو یا پریس یا نشریاتی ادارہ ہو، سب میں کسی غالب عنصر کا نقطۂ نظر اثر انداز ہو سکتا ہے۔ حکومت میں آج بھی کسی ایک گروہ کا مخصوص تسلط ہوتا ہے، خود اس گروہ میں چند اساطین خاص طور سے با اثر ہوتے ہیں۔ دوسرے ہر طرح کے اثرات ..... صوبائیت کے بھی، سوشلزم کے بھی، مغربی معیشت اور معاشرت اور ثقافت کے بھی اور بالواسطہ طور پر بھارت اور اسرائیل کی لابی کے بھی، ہم پر پڑتے رہتے ہیں، مگر ہم ان اثرات کو معمول کا حصہ سمجھتے ہیں صرف

شریعت کے کسی نقطہ منظر کا غلبہ ہو جائے تو اس سے کیا قیامت آ جائے گی؟ اور کیا یہ امکان نہیں کہ ایک نقطہ نظر اور دوسرے اور تیسرے نقطہ نظر کا وقتاً فوقتاً اَدل بدل ہوتا رہے بلکہ ان میں مناسب ترکیب پیدا ہو جائے۔

ایک سوال یہ بھی اُٹھایا جاتا ہے کہ شریعت کے جو فیصلے کسی خاص نقطہ نظر کے مطابق ہوں اور ان کی وجہ سے ممکن ہے کہ معاشرے کے مختلف اداروں اور شعبوں کو اپنے کچھ معمولات اور مفاد چھوڑنے پڑیں۔

ایک مثال سامنے رکھ کر اس کا جواب خود ہی سوچیے کہ جب سوویٹ نظام یوگوسلاویہ میں داخل ہوا تو اُس نے ایک وقت میں فیصلہ دے دیا کہ مسلمانوں کی جو بھی عبادتی یا تعلیمی یا معاشرتی یا تہذیبی سرگرمیاں چل رہی تھیں، وہ ختم کی جاتی ہیں۔ پھر مسجدیں گرنے لگیں، مسلمانوں کے نام بدلے جانے لگے، کتنوں کا قتل ہو گیا، کتنوں کے گھر اُجڑ گئے۔

اس کے مقابلے میں اگرچہ شریعت سراپا رحمت ہے، مگر یہ شرط تو نہیں باندھی جا سکتی کہ جو کچھ جس کا جس طرح ہے، خبردار اس میں کوئی فرق نہ آئے۔ یوں ہو تو پھر شریعت کو کسی بھی تصور کے ساتھ چلانے سے کیا حاصل؟ ہر کسی کو بعض معمولات چھوڑنے پڑیں گے اور بعض مفاد سے دست برداری کرنی ہوگی اور بعض نئی چیزیں اختیار کرنی ہوں گی۔ خاص طور پر اگر مشہور عام تصویروں والی مثال سامنے رکھی جائے! اور کل اخباروں کو اس معاملے میں کوئی امتناعی حکم دے دیا جائے تو کیسے کام چلے گا۔ اس پر راقم کا خیال یہ ہے کہ کسی مسلمان شخص یا ادارے میں یہ جذبۂ ایمانی ہونا چاہیے کہ اگر شریعت نافذ ہو اور اس کا کوئی قانون اسے کسی کام سے روک دے، یا اس پر کوئی پابندی لگا دے یا سرے سے اس کو کاروبار ہی لپیٹ دینے پر مجبور کر دے تو اُسے خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں بصد شوق قربانی دینی چاہیے۔

مگر میرا خیال یہ ہے کہ تصویر کے بارے میں اب جو آرا پائی جاتی ہیں ان کی اکثریت اس پر تو متفق ہے کہ بعض تمدنی ضرورتوں کے لیے جس کا اشارہ خود شریعت سے ملتا ہے۔ تصاویر کا محدود جواز موجود ہے۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو مطلق جواز تک جا پہنچتے ہیں کچھ وہ بھی ہیں جو تمدنی استثنیٰ کے محدود دروازوں کو وسیع کرنے کے حق میں نہیں ہیں۔ بہرحال اکثریت غالباً اس پر جمع ہو سکتی ہے کہ جس طرح طلبہ کی تعلیمی ضرورت کے لیے تصاویر کا استعمال جائز ہے یا جس طرح شہادتِ جرم کے لیے گنجائش ہے، اسی طرح اخبار کسی خبر کو واضح تر کرنے اور ان پڑھ عوام کی نگاہوں میں قابلِ فہم بنانے کی غرض سے بھی، اور حالاتِ

واقعات کی بعض شہادتوں کو محفوظ کرنے کے لیے بھی تصاویر دے سکتا ہے۔

مگر یہ بھی کیا مذاق ہوا کہ استثنائی ضرورت سے اگر اخبار کو اشاعتِ تصاویر کی کچھ گنجائش ملے تو وہ اپنے خاص خاص صفحات کو دس دس بیس بیس ایسی خواتین کی رنگین تصاویر سے سجانے لگے، جو میک اَپ کے ساتھ ہر نگاہِ ہوس کی ضیافت کا سامان بنی ہوئی ہوں۔ اور کبھی کبھی تو ایسی تصاویر کا بڑا سائز یہ سوچنے پر مجبور کر دیتا ہے کہ اخبار کا کام خبریں مہیا کرنا ہے یا عورت کو نوجوانوں کے ذہنوں پر سوار کرنے کی خدمت انجام دینا۔

قانونِ شریعت جب بھی نافذ ہوگا تو اعتدال کے نقطۂ نظر سے اس کی تدوین ہوگی اور یہ نقطۂ نظر مختلف الخیال حضرات کی بحثوں سے پیدا ہوگا جب کہ وہ ایک اعلیٰ مقصد کو حسنِ نیت کے ساتھ سامنے رکھیں۔

آخر میں ایک ہی بات کہنی ہے کہ اگر دل ہی ٹیڑھا ہو تو حجتوں کے ڈھیر (ترجمہ از پنجابی)، لیکن اگر ارادہ کر لیا جائے اور دوسروں کو بھی نفاذ شریعت کے لیے تیار کیا جائے اور اہلِ تحریر تحریروں کے ذریعے، لیڈر اور علما تقریروں کے ذریعے، کارکن گفتگوؤں کے ذریعے اور اخبار نویس اپنے کالموں کے ذریعے اگر نفاذِ شریعت کے جذبۂ عام کی لہر اٹھا دیں تو سارے متذکرہ مسائل حل ہو جائیں گے۔

لیکن اگر تت نئے اشغلے چھوڑ کر، اختلافات کی دراڑیں ڈال کر اور مزاحمتوں کی دیواریں کھڑی کر کے قوم کی ذی شعور نوجوان قوت کو نظامِ باطلہ کے آگے جبراً سرنگوں رکھا گیا تو پھر اسلامی شریعت انقلابی راستے سے آئے گی — چاہے کسی کے ہاتھوں آئے۔ اس طریقے سے دیر لگ سکتی ہے مگر شریعت کا اقدام بھرپور ہوگا۔ بہتر یہ ہے کہ جدید طبقہ افہام و تفہیم کی معتدل راہ اختیار کرے اور کبھی شریعت کی مخالفت اور کبھی علما کی تضحیک کر کر کے فضا کو خراب نہ کرے۔ کوئی قوت نہ اسلامی نظام کے رجحان کو روک سکتی ہے اور نہ شریعت کے نفاذ کا راستہ بند کر سکتی ہے۔ انشاء اللہ!

اَن دیکھی دُنیا

(ڈاکٹر ملک غلام مرتضیٰ صاحب، اسلامک یونیورسٹی مدینہ منورہ کی ایمان پرور اور شعور افزا کتاب وجود باری تعالیٰ اور توحید کا ایک باب)

علت ومعلول میں یکسانیت

سائنس میں تجربہ ومشاہدہ کی بنیادی اُصول ہے کہ ہر نتیجہ کا کوئی نہ کوئی سبب ہوتا ہے۔ مسبّب اور نتیجہ کا یہ رشتہ وقتی و عارضی نہیں بلکہ مستقل ہے۔ مثلاً گرمی آگ کا نتیجہ ہے آگ سبب ہے اور گرمی نتیجہ۔ یہ کل بھی تھا اور آج بھی ہے اور آئندہ بھی ہوگا۔ آگ اور گرمی کا رشتہ یہاں بھی ہے اور دُنیا کے ہر حصہ میں یہ رشتہ برقرار رہے گا۔

سبب اور نتیجہ کا یہ رشتہ ہر جگہ اور ہمیشہ برقرار رہتا ہے، ہمیشہ یکساں رہتا ہے۔ اسی رشتہ کی بنا پر ہم قوانینِ فطرت مُرتّب انداز میں سمجھتے ہیں بلکہ انہیں اپنے الفاظ میں مُرتّب کر لیتے ہیں۔

سبب ونتیجہ یا علّت ومعلول کی اس یکسانیت کی بنیاد پر ہم تمام واقعات وحالات کو علّت ومعلول کی کڑی میں پروتے چلے جاتے ہیں۔ ہر واقعہ یا نتیجہ کا سبب، پھر اس کا سبب ڈھونڈتے چلے جاتے ہیں۔ اور یہ سب کچھ ہم اس لیقین کے ساتھ کرتے ہیں کہ ہر واقعہ کا کوئی نہ کوئی سبب ضرور ہوگا۔ ہر معلول کی کوئی نہ کوئی علت ضرور ہوگی۔

سرحدِ ادراک سے پرے

علت ومعلول کو کڑی در کڑی پروتے پروتے ایک مقام ایسا بھی آجاتا ہے، جہاں ہم کسی معلول کی (جو بیک وقت علت بھی ہوتا ہے) اگلی کڑی دریافت نہیں کر پاتے۔ واقعہ یا نتیجہ موجود ہے مگر اس کا سبب نظر نہیں آرہا۔ دیکھنے، چھونے، سُننے، سُونگھنے اور چکھنے کی قوتیں بے بس ہو جاتی ہیں۔ راستہ باقی ہے، منزل بہت آگے ہے مگر حواسِ خمسہ نے ساتھ چھوڑ دیا۔ آنکھیں دُھندلانے لگیں۔ سرحدِ ادراک آگئی۔ آگے کچھ سجھائی نہیں دیتا۔ اب کیا کریں؟

ایک صورت تو یہ ہے کہ اپنی قوتِ ادراک کی بے بسی مان لیں اور صاف اعتراف کر لیں معلول، نتیجہ اور واقعہ موجود ہے مگر اس کا سبب کہیں آگے، سرحدِ ادراک سے پرے ہے، ہمارے علم و ادراک میں نہیں آ رہا۔ ہے ضرور مگر نظر نہیں آ رہا ہے۔

دوسری صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ یُوں کہہ دیں کہ جہاں تک ہمیں نظر آ رہا تھا، بس وہیں تک راستہ تھا، اب آگے نہ راستہ ہے، نہ منزل۔

مگر اس موقع پر ہماری عقلِ سلیم شاید احتجاج کرے گی، وہ کہے گی کہ وہ تمہارا علت و معلول کا رشتہ کیا ہوا۔ تمہارا اٹل فطری قانون کہ ہر نتیجہ کا سبب ہوتا ہے اور اس میں زمان و مکان کی قید سے آزاد یکسانیت و عمومیت ہوتی ہے۔ کہاں گیا؟ اب تم آگے نہیں بڑھ سکتے ہو تو اپنے مرتب کردہ اٹل فطری قانون کو جھٹلانے لگے ہو؟ معلول سامنے موجود ہے لیکن علت کے وجود کا انکار کرتے ہو؟

حیرت کی بات ہے کہ سرحدِ ادراک سے پہلے تو علت و معلول کا رشتہ بھی لازمی، قانونِ فطرت بھی اٹل۔ قانون یکسانیت و عمومیت بھی بر سرِ کار ہیں۔ اب جونہی سرحدِ ادراک سے پار کا معاملہ زیرِ بحث آیا تو سارے رشتے ناطے ٹوٹ گئے۔ نہ سبب و نتیجہ کا رشتہ باقی رہا، نہ تعلیل، نہ یکسانیت و عمومیت اور نہ کوئی قانونِ فطرت۔ وہ آخری معلول جس کی ایک ٹانگ سرحدِ ادراک سے پہلے ہے، اور ہمیں نظر آ رہا ہے اور جس کی دوسری ٹانگ سرحدِ ادراک سے پار ہے۔ اب درخورِ اعتنا ہی نہیں ہے؟ اب اس کا وجود بھی معرضِ شک و انکار میں پڑ گیا ہے بس اس لیے کہ نظر نہیں آ رہا۔

بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِيطُوا بِعِلْمِهِ وَلَمَّا يَأْتِهِمْ تَأْوِيلُهُ (یونس - ۳۹)

"بس صرف اس لیے جھٹلا دیا کہ بات ان کی سمجھ میں نہ آئی اور ابھی اس کی حقیقت ان پر نہیں کھلی"

باتیں تو بہت سی ہیں جو سمجھ میں نہیں آتیں۔ کیا ان کے وجود سے انکار کریں، ان سے منہ پھیر لیں؟ خدا نخواستہ میرے سر میں شدید درد ہو رہا ہو۔ نہ درد کی شکل نظر آتا ہے اور فرض کیجیے نہ اس کی وجہ سمجھ میں آتی ہے۔ کیا مان لوں کہ میرے سر میں درد نہیں ہو رہا؟

دنیا میں بیسیوں چیزیں ایسی ہیں جو ہمارے حواسِ خمسہ اور ادراکِ عقلی کی زد سے دُور ہیں۔ کیا ان سب کے وجود سے انکار کر دیں؟

تو آئیے آپ کو ایک ان دیکھی دُنیا کی سیر کرا دیں۔ وہ ان دیکھی دُنیا جس کے وجود سے آپ انکار نہیں کر سکیں گے۔ اہلِ نظر تو صرف چلنے والے کے نقشِ پا کو دیکھتے ہیں اور کسی خاص شخص کے اس جگہ پر آنے کا ثبوت مہیا کر لیتے ہیں۔ قدموں کے یہ نشان اس جگہ پر اس شخص کے وجود کی دلیل بن جاتے ہیں۔ (ہمارے ہاں دیہاتوں میں پاؤں کے نشانوں سے چوروں کا سراغ بھی لگا لیا جاتا ہے) لیکن ہم تو محبوب کے وجود کی بات کر گئے

ابھی اس راہ سے گزرا ہے کوئی
کہے دیتی ہے شوخیٔ نقشِ پا کی

خلیے گذشتہ صفحات میں اس بات کا ذکر ہو رہا تھا کہ بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو نظر میں نہیں آتیں، لیکن موجود ہوتی ہیں۔ خلیوں اور ایٹم میں الیکٹران، پروٹان اور نیوٹران کی دُنیا بھی ان دیکھی دُنیا ہے۔ جب اس کے عجائبات پر غور کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی تخلیق اس طرح سے نمایاں ہو جاتی ہے کہ انسان وجد میں آجاتا ہے۔

ڈاکٹر غلام جیلانی برق ۴۰ سائنسدانوں کے مضامین پر مشتمل ایک کتاب ایک عظیم منصوبہ GREAT DESIGN کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"نباتات اور حیوانات کے بنیادی اجزا خلیے CELLS کہلاتے ہیں۔ ہر خلیہ کئی عناصر مثلاً ہائیڈروجن، آکسیجن وغیرہ سے مرکب ہوتا ہے۔ دُنیا کا ہر پودا اور ہر جاندار انہیں سے تیار ہوا ہے۔ سوال یہ ہے کہ ہر جانور کی تکوین انہیں سے ہوتی ہے تو ان کا ایک مجموعہ خرگوش، دوسرا ہرن، تیسرا بیل اور چوتھا سانپ کیسے بن گیا۔ ماہرینِ حیات کا جواب یہ ہے کہ یہ سب کمال ترتیب سے ہے۔ ہرن کے خلیوں کی ترتیب دیگر تمام جانوروں کے خلیوں سے جدا تھی۔ اسی اختلافِ ترتیب سے ایک خرگوش اور دوسرا شیر بن گیا۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ یہ ترتیب دینے والا کون ہے۔ سائنس کے پاس اس کا کوئی جواب موجود نہیں ہے۔"

لیکن مذہب کہتا ہے: اللہ!

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا ۚ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ۚ (فاطر: ۱۱)

"اللہ نے تمہیں پہلے چکنی مٹی سے پیدا کیا تھا، پھر نطفہ سے تمہاری تخلیق شروع کر دی۔

اس نے تمہارے جوڑے بنائے، اور عورت جو کچھ پیٹ میں اٹھائے پھرتی ہے یا جنتی ہے۔ یہ سب کچھ اللہ کے علم میں ہے۔"

ایٹم "بے جان اشیاء مثلاً لوہا، پتھر، سونا وغیرہ میں خلیے نہیں بلکہ برق پارے ہوتے ہیں۔ ان کی ترتیب اور تعداد کے اختلاف سے ایک مجموعہ سونا بن جاتا ہے۔ دوسرا چاندی اور تیسرا لوہا۔ ہائیڈروجن کے جوہر میں صرف ایک منفی الیکٹران ہوتا ہے اور آکسیجن میں آٹھ اور کیلشیم میں بیس۔"

(۵ : ۱۱)

"یہ کائنات بجلی کے مہین ذرات سے تعمیر ہوئی ہے۔ یہ دو قسم کے ہوتے ہیں۔ منفیہ (الیکٹران) ثباتیہ (پروٹان) جسے مرکزہ بھی کہتے ہیں۔ ان دونوں کے ملاپ سے جوہر (ایٹم) بنتا ہے اور کئی جواہر سے مالیکول تیار ہوتا ہے اور ایک ایٹم کا ٹھوس حصہ وہی ہوتا ہے جسے مرکزہ کہتے ہیں اور باقی جگہ خالی ہوتی ہے۔ سائنسدان کہتے ہیں کہ اگر ہر ایٹم سے اس کی خالی جگہ چھین لی جائے تو تین من بھاری انسان کا وزن ریت کے ایک ذرّے سے بھی کم ہو جائے گا۔ اور زمین کا قطر جو اب ۸ ہزار میل ہے، صرف نصف میل رہ جائے گا۔"

(ریڈرز ڈائجسٹ، فروری ۱۹۵۶ء۔ صفحہ ۱۴۲)

نیویارک کا ایک سائنسدان رابرٹ پلیب نیویارک ٹائمز میں لکھتا ہے کہ "بادو باران کا وہ طوفان جو ۸۰ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چل رہا ہو۔ ایک منٹ میں اتنی توانائی استعمال کرتا ہے جتنی کہ ریاستہائے متحدہ کا نظامِ برق پچاس برس میں پیدا کرتا ہے۔ (ایضاً ۵ : ۱۶)

جیمز آرنلڈ گراڈ تھر ایم اے ایس سی ڈی اپنے مضمون "ضو فشانی" (RADIATION) میں لکھتے ہیں:

"مادہ کیا ہے؟ یہ برق پاروں میں مقید توانائی کا نام ہے۔ اگر اس توانائی کو ہم کسی طرح آزاد کر سکیں تو یہ خلا میں نہایت تیز رفتاری سے کسی طرح پرواز کرنے لگے گی۔ اس کی صورت ایک ہی ہے کہ یہ زمین کسی ستارے سے اس طرح ٹکرا جائے کہ تمام رشتے، بندھن اور رابطے ٹوٹ جائیں اور برق پارے آزاد ہو جائیں۔

کائنات کی بنیادی حقیقت ضو فشانی RADIATION یا توانائی ہے۔ یہ کہیں شعاع

کی صورت اختیار کر لیتی ہے، کہیں لہر اور کہیں ذرّے کی۔ اس متنوع کائنات میں توانائی ہی رشتہ وحدت کا کام دیتی ہے۔ آغازِ آفرینش میں خلا پُرسکون تھا، کہیں سے برق پارے بیچ میں آکودے اور اضطراب سا پیدا ہو گیا۔ ان میں سے کچھ توانائی میں تبدیل ہو گئے اور کچھ مادّہ MATTER بن گئے۔

سائنس اَن گنت صدیوں سے رازِ حیات حل کرنے میں مشغول ہے۔ اس نے تلاش و تحقیق کی بے شمار وادیاں طے کیں۔ بڑی پیچیدہ راہوں سے گذری۔ بے شمار اُلجھی ہوئی گتھیاں سلجھائیں اور اب اس صداقت تک جا پہنچی ہے جس کا اعلان خدا نے موسیٰؑ نے ولادتِ مسیحؑ سے پندرہ سو سال پہلے کیا تھا:

"LET THERE BE LIGHT AND THERE WAS LIGHT."

ترجمہ: "اللہ نے کہا اُجالا ہو جائے اور فوراً اُجالا ہو گیا"۔

(دو حوالے (۵: ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۸)

منطقی اثباتیت اور ایمان بالغیب اس موقع پر منطقی اثباتیت LOGICAL POSITIVISM کی طرف اشارہ کر دینا بھی ضروری ہے۔ جدید دور کے اس فلسفے میں یہ بات بہت شد و مد کے ساتھ کہی جاتی ہے کہ جو امر یا جو چیز حواسِ خمسہ کے ذریعے محسوس کی جا سکے وہ سرے سے موجود ہی نہیں۔ بالفاظِ دیگر جو چیز نظر نہ آئے وہ سرے سے وجود ہی نہیں رکھتی۔ از راہِ تفنن عرض ہے کہ اس قسم کی کٹ حجتی آج سے تقریباً ساڑھے تین ہزار سال پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے بعض لوگوں میں بھی پائی جاتی تھی۔ اُنہوں نے بھی یہ مطالبہ کیا تھا کہ ہم اس وقت تک خدا کو نہیں مانیں گے جب تک خدا ہمیں اپنی آنکھوں سے نظر نہ آجائے گا۔

منطقی اثباتیت سے متعلق ایک دلچسپ لطیفہ عرض ہے کہ اس فلسفے کو ماننے والے ایک استاد اپنی کلاس میں پڑھا رہے تھے اور انداز گفتگو یہ تھا کہ دیکھیے آپ لوگوں کو یہ کتاب نظر آ رہی ہے۔ طلباء نے جواب دیا کہ جی نظر آ رہی ہے۔ ارشاد ہوا "تو یہ کتاب موجود ہے"۔ پھر پوچھا کہ "یہ دیوار نظر آ رہی ہے"؟ طلبا سے جواب ملا "نظر آ رہی ہے"۔ تو استاد نے فرمایا کہ "دیوار موجود ہے"۔ پھر پوچھا کہ "یہ قلم آپ نظر آ رہا ہے"؟ "طلبا نے جواب دیا" جی نظر آتا ہے"۔ استاد نے کہا "یہ قلم موجود ہے"۔ پھر پوچھا "تمہیں خدا نظر آ رہا ہے"؟ طلبا نے کہا "جی نہیں نظر آ رہا"۔ تو اُستاد صاحب فرماتے ہیں کہ "اگر خدا نظر نہیں آ رہا

ہے تو خدا موجود نہیں ہے"۔ اسی اثنا میں ایک ذہین طالب علم نے کھڑے ہو کر طلباء سے پوچھا کہ" کیا آپ کو اُستاد صاحب کی عقل نظر آ رہی ہے؟" طلباء نے کہا نہیں، تو اس طالب علم نے جواب دیا کہ" اُستاد صاحب کی عقل نہیں ہے"۔

قرآن مجید اس اندازِ فکر کی شدت سے مخالفت کرتا ہے۔ ارشاد ہے:

بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِيطُوا بِعِلْمِهِ وَلَمَّا يَأْتِهِمْ تَأْوِيلُهُ

(یونس: ۳۹)

"بس صرف اس لیے جھٹلا دیا کہ بات ان کی سمجھ میں نہ آئی یا دائرہ علم میں نہ آسکی۔ (حواس خمسہ کی گرفت میں نہ آسکی) اور ابھی اس کی حقیقت اُن پر کھلی نہیں"۔

دُنیا میں بے شمار ایسی چیزیں ہیں جن کا وجود ہے اور وہ نظر نہیں آتیں۔ مثلاً ہوا۔ ہوا چلتی ہوئی نظر نہیں آتی، ہاں گرد و غبار نظر آتا ہے۔ درختوں کی ٹہنیاں ہلتی ہوئی نظر آتی ہیں، مگر یہ تو ہوا کی علامتیں ہیں، نشانیاں اور آثار ہیں، ہوا تو نہیں ہے۔ بالکل اسی طرح اللہ تعالیٰ کی نشانیاں آیاتِ بیّنات تو ہر طرف بکھری ہوئی نظر آتی ہیں، مگر اس کی ذات نہیں آتی۔ آپ کہتے ہیں کہ مجھے شدید درد ہو رہا ہے۔ درد کے آثار تو چہرے پر نظر آتے ہیں، مگر درد نظر نہیں آتا۔ زمین کی کششِ ثقل، فضا میں ریڈیائی لہریں، ہمارے جذبات، غم، غصہ، خوشیاں نہ نظر آتی ہیں اور نہ حواسِ خمسہ سے محسوس کی جا سکتی ہیں۔ ہاں اُن کے آثار و علامات ضرور نظر آتے ہیں۔ کیا ان سب چیزوں کے وجود کا انکار کر دیں؟

سب چیزیں موجود ہوتی ہیں، لیکن اندھیرے میں کچھ بھی نظر نہیں آتا۔ کیا یہ سب چیزیں غیر موجود ہو جاتی ہیں۔ سب چیزیں موجود ہوتی ہیں، لیکن آنکھوں کے سامنے اگر دو ہزار واٹ کا بلب روشن کر دیا جائے تو آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں۔ کچھ بھی نظر نہیں آتا۔

نظر یا خبر؟ کسی چیز کے ثبوت کے لیے اس کی رُویت اور اس کا نظر آنا ضروری نہیں ہوتا۔ ہم کمرے میں موجود ہوتے ہیں۔ باہر سورج کی روشنی ہوتی ہے۔ سورج نظر نہیں آ رہا ہوتا۔ لیکن سورج کے وجود کا اقرار کرتے ہیں۔ کسی مکان سے دھواں اُٹھ رہا ہوتا ہے لیکن آگ نظر نہیں آ رہی ہوتی مگر آگ کے وجود کا یقین ہو جاتا ہے۔ کسی شخص کے پاؤں کے نشان نظر آتے ہیں وہ شخص نظر نہیں آتا مگر اس کے باوجود اس کا سراغ پا لیتے ہیں۔

عملی دنیا میں نظر سے زیادہ خبر کی وقعت ہے۔ حواسِ خمسہ کی کیفیت تو عام طور پر ان چار اندھوں کی کیفیت سے ملتی جلتی ہے جو ایک ہاتھی کو مختلف زاویوں سے ٹٹول رہے تھے۔ کسی نے سونڈ پر ہاتھ لگایا تو کہا کہ ہاتھی سانپ کی طرح ہوتا ہے۔ کسی نے اس کے پاؤں کو ہاتھ لگایا تو کہا کہ ہاتھی ستون کی طرح ہوتا ہے۔ اور کسی نے اس کے جسم پر ہاتھ لگایا تو کہا کہ وہ دیوار کی طرح ہوتا ہے۔ وعلیٰ ہذا القیاس...... عملی زندگی کا تعلق خبر اور ایمان بالغیب سے ہے۔ ہم اپنی زندگی کے ۹۵ جز امور صرف دوسروں سے سنی سنائی باتوں پر اعتماد کر کے طے کرتے ہیں۔ ایک بیمار شخص ڈاکٹر کی ہر ہر بات پر پورا پورا اعتماد کرتا ہے اور ایمان بالغیب لاتا ہے۔ ایک شخص عدالت میں مقدمہ لڑتے ہوئے وکیل کی ہر الٹی سیدھی بات پر پورا پورا اعتماد کرتے ہوئے اس پر ایمان بالغیب لاتا ہے۔ ہم روزانہ اخبار پڑھتے ہیں۔ ریڈیو، ٹیلیویژن پر خبریں سنتے ہیں، سب باتوں پر اعتماد کرتے ہیں۔ اگر یہ اعتماد نہ ہو اور ہر چیز کو دیکھنا شرط قرار پا جائے تو زندگی گزارنا ناممکن ٹھہرے۔ مجھے جاپان جانے کا اتفاق نہیں ہوا تو کیا میں جب تک جاپان کو دیکھ نہ لوں تو ملک جاپان کے وجود سے انکار کیے رکھوں۔ کہنے والا مجھے کہہ سکتا ہے کہ میاں ابھی چلو، ٹکٹ خرید و اور ٹوکیو کے شہر میں جا کر دیکھ لو کہ جاپان موجود ہے۔ میرا جواب یہی ہوگا کہ ہاں بھئی ہوگا مگر صرف تمہارے لیے۔ اس لیے کہ تم دیکھ چکے ہو اور جب تک میں دیکھ نہیں لیتا اس وقت تک میرے لیے جاپان کا وجود نہیں ہے۔ کیا یہ جواب اصولاً درست ہوگا۔ لیکن ایک معقول شخص کا رویہ یہی ہے کہ میاں جب تم کہتے ہو کہ جاپان میں پہنچ کر جاپان کو دیکھ سکتے ہو تو دیکھنے سے پہلے ابھی اس کے وجود کا اقرار کر لینے میں کیا حرج ہے۔ اصولی طور پر تو اس کا وجود مان لینا چاہیے۔

یہی بات اللہ والے بھی کہتے چلے آئے ہیں۔ (ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر) کہ جب وقت آئے گا تو اللہ تعالیٰ کی ملاقات اور اس کا قرب نصیب ہوگا تو تم اس کا مشاہدہ کر سکو گے۔ لیکن اس مشاہدے سے پہلے ابھی مان لینے میں کیا حرج ہے۔ اصولی طور پر تو مان لینا چاہیے۔

میرا ذاتی تجربہ یہ ہے کہ فلسفہ کا مطالعہ کرتے ہوئے کئی مرتبہ گہرا پانی آیا۔ ڈبکیاں کھانے لگا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان کی چولیں ڈھیلی ہونے لگیں۔ اس موقعے پر ایک سہارا تھا جس نے ڈوبنے سے بچا لیا اور کنارے پر بار بار پہنچا دیا۔ اور وہ تھا محمد عربیؐ پر اعتمادِ کامل کا سہارا! ان پر ایمان بالغیب کا سہارا اتنا تو یقینِ کامل ہے اور تھا کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اتنی عظیم شخصیت ہے کہ اس کے منہ سے جھوٹ

نہیں نکل سکتا اور وہ پھر اس راہ میں اکیلے نہیں ہیں۔ لاکھوں انبیاء، اولیاء، صلحا، شہدا ان کے جلو میں چلے آ رہے ہیں۔ کیا یہ سب کے سب جھوٹ بول رہے ہیں؟ ان سب کو جھوٹا کہنے سے پہلے اپنی عقل کا علاج کیوں نہ کروا لوں؟ پھر یہی ہوتا رہا کہ جب غوطے آنے لگتے تو ضمیر کی گہرائیوں سے یہ دعا نکلتی۔

مجھے عشق کے پر لگا کر اڑا　　　　میری خاک جگنو بنا کر اڑا
تڑپنے پھڑکنے کی توفیق دے　　　　دلِ مرتضیٰؓ، سوزِ صدیقؓ دے

یہ سوزِ صدیقؓ کیا ہے؟ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیتِ کبریٰ پر مکمل ایمان ہے اور وہ بات جو سمجھ میں آنے والی نہیں اس پر بھی یقینِ کامل لے آنے کا نام ہے، اگر وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے نکل گئی ہو۔

تو ہر چیز کا وجود اس بات کا محتاج نہیں ہے کہ اسے ننگی آنکھ سے دیکھا جائے یا حواسِ خمسہ سے محسوس کیا جائے۔ زندگی کے ننانوے فی صد سے زیادہ معاملات خبر سے متعلق ہیں، نظر سے نہیں۔

نظر درد و غم و سوز و تب و تاب
تو اے ناداں قناعت کر خبر پر　　　　(اقبالؒ)

رسائل و مسائل

چار مختلف سوالات

سوال:- میرے حسبِ ذیل سوالات ملاحظہ فرمائیں:

۱ـــ اگر کوئی غریب یا درمیانے طبقے کا آدمی "بانڈز" خرید لے اور انعام کا منتظر ہے اور پھر انعام بھی نکل آوے تو کیا یہ حرام ہوگا؟ یہ رزق اس کے لیے حرام تو نہیں! یا پھر ان کی فروخت کو روزی کا ذریعہ بنانا۔ وغیرہ۔

۲ـــ کیا ہاتھ کی لکیریں دیکھ کر انسانی مستقبل کی پیش گوئی کرنے والے کی بات مان سکتے ہیں۔ یہ صحیح کہتے ہیں یا غلط؟ نجومی حضرات (علمِ نجوم سے متعلق) کیا صحیح بتاتے ہیں؟ اور تیسری بات جو اس قسم سے متعلق ہے وہ ہے "خواب"۔ کیا خواب میں کوئی سچائی، حقیقت، یا پیش گوئی یا کوئی (انسان کو) دکھلا یا ہوتا ہے۔ تینوں صورتوں کے متعلق قرآن و سنت کی روشنی میں لکھیں اور ہاں اگر خواب کی بات میں کچھ روشنی موجود بھی ہو تو تعبیر کہاں سے لائیں گے؟

۳ـــ یہ سوال آپ سے پہلے بھی پوچھ چکا ہوں، مگر بات کچھ واضح نہ ہوئی تھی یہ مسئلہ قضا ہے۔ ہمارے مولوی صاحب کہتے ہیں کہ ایک سے لے کر پانچ تک اگر لگاتار نمازیں قضا ہو گئی ہوں تو پہلے جب اُن کی قضا نہ دے گا (چاہے دن کی پانچ کی بجائے دو یا ایک ہی نماز قضا ہوئی ہو) اگلی نماز قبول نہ ہوگی۔ پھر کیا وہ نمازیں جو بہت سال پہلے قضا ہو گئیں اور ان سب کی قضائیں پوری کرنی ہوں یعنی آپ کے مطابق صاحبِ ترتیب نہ ہوا ہو۔ وہی نمازیں پہلے قضا پڑھ لیں؟ (اور کس طرح پڑھیں۔ یعنی کس وقت کی نماز کی قضا کس کے ساتھ۔ کتنی پڑھیں ایک وقت میں) اور جب صاحبِ ترتیب ہو جائے تو مولوی صاحب والی بات

پہ عمل کرلیں؟) فجر کی نماز کی قضا کے متعلق بھی لکھ دیں۔ حالانکہ میرے علم میں ہے صرف سورج چڑھ آنے کے بعد ہی فجر کی قضا پڑھ سکتے ہیں۔ پھر اگر یہی ہے تو فجر کی بقیہ قضاؤں کا کیا کریں۔ کیا قضائیں اس وقت بھی پڑھی جا سکتی ہیں جب کسی نماز کا وقت نہیں ہوتا۔ یعنی فجر اور ظہر کے درمیان کا وقت جو تھوڑا سا ہوتا ہے۔ فجر کی نماز پڑھ لینے کے بعد تو کوئی چیز (نماز) نہیں پڑھی جاتی۔ اسی طرح عصر کے بعد بھی ہوتا ہے، نیز قضائے عمری کے متعلق بھی لکھیں۔

۴۔ ہمارے ہاں آج سے بہت پہلے کا رواج چلا آرہا ہے کہ خواتین قبرستان میں جاکر وہاں کسی بزرگ، مرشد یا فقیر کی قبر کے نزدیک بیٹھ کر کچھ پڑھ کر اس کو بخش دیتی ہیں۔ مزید لوازمات میں یہ بھی شامل ہے کہ وہاں میٹھی موٹی روٹی، "مومنی یا روٹا" یا مٹھائی وغیرہ بھی قبر پہ رکھ دیتی ہیں سوال یہ ہے کہ کیا خواتین کا وہاں (قبرستان میں یا خاص پیر کے مزار یا قبر پہ) جانا اسلامی نقطۂ نظر سے جائز ہے یا اس کے برعکس؟ اگر جائز نہیں تو کیوں؟ بعض اوقات خواتین کیا، مرد بھی یوں کرتے ہیں کہ نیت کر لیتے ہیں کہ اگر خدا نے مجھے بیٹا دیا بیٹے یعنی اولاد، عطا کر دیا، یا میری فلاں حاجت پوری ہوگئی تو میں فلاں حضور کی قبر یا مزار پہ (بہت اچھی نسل کا) مرغ یا دنبہ چھوڑ دوں گا۔ اور وقت آنے پر ایسا ہی کرتے ہیں۔ کیا یہ سب صحیح ہے؟ اگر صحیح بھی ہو تو یہ مال و متاع مجاور حضرات اپنے شکم میں لے جاتے ہیں۔ فائدہ کیا ہوا؟ نیز ان بزرگوں یا نیک لوگوں کا عرس کرنا، کھانا، یا ان کے ہاں جاکر بستر، چارپائیاں، رقم ان کے لنگر میں جمع کرا دینا (ثواب کی نیت سے)، جائز ہے یا نہیں۔ حالانکہ لوگوں کے ایسا کرنے سے وہی پیر ——— "LAND LORD" بن بیٹھتے ہیں۔ اور ان کے بیٹے، کتوں، بٹیروں اور ککڑوں (یعنی مرغوں) کے ساتھ عیاشیاں کرتے ہیں۔ اور آخر میں تعویذ کے متعلق پوچھ رہا ہوں۔ کیا ان کے لکھے ہوئے تعویذ لے آنا، پھر ان کا معاوضہ دینا جائز ہے؟ یہ کچھ اثر بھی کرتے ہیں یا نہیں؟

جواب:۔ آپ کے سوالات کے مختصر جوابات درج ذیل ہیں:۔

۱۔ آپ نے جن بانڈز کا ذکر کیا ہے ان کا خریدنا اور انعام کا منتظر رہنا جائز نہیں۔ ان کی خرید و فروخت کا کاروبار سب ناجائز ہے۔ کیونکہ اس میں سود اور جوئے کی آمیزش ہے۔

۲ ـــ ہاتھ کی لکیریں دیکھنے کا علم قیافہ یعنی چہرہ شناسی کے علم کے مانند ہے۔ اس سے کسی حد تک انسان کے عادات و خصائل و آثار کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اسے بالکل یقینی سمجھ لینا اور اس کے بل پر مستقبل کی پیش گوئیاں کر دینا جائز نہیں ہے۔ جہاں تک خوابوں کا تعلق ہے، خواب سچے بھی ہوتے ہیں اور محض پراگندہ ذہن کا پرتو اور جھوٹے بھی ہوتے ہیں۔ لیکن سچے خوابوں کی صحیح اور یقینی تعبیر صرف انبیاء علیہم السلام ہی کر سکتے ہیں۔

۳ ـــ اگر آپ صاحب ترتیب نہیں رہے، یعنی آپ سے بہت سی نمازیں قضا ہو چکی ہیں تو آپ کے لیے آسان عملی صورت قضا کی ادائیگی کی یہ ہے کہ آپ ہر نماز کے ساتھ ایک زائد نماز قضا کی نیت سے پڑھ لیا کریں۔ صبح کی نماز کے فوراً بعد آپ کوئی نماز قضا نہیں پڑھ سکتے، اس لیے آپ روزانہ فجر کی ایک قضا کی نماز ظہر ہی کے ساتھ مزید پڑھ لیا کریں۔ عصر کی نماز کے بعد نوافل و سنن تو جائز نہیں۔ مگر فرائض کی قضا جائز ہے۔ اس لیے آپ عصر کی نماز کے بعد ایک مزید عصر قضا کی نیت سے پڑھ سکتے ہیں۔

۴ ـــ خواتین کا قبور و مزارات پر جانا ممنوع ہے۔ جہاں تک مردوں کا تعلق ہے ـــ وہ خاموشی سے موت کی یاد دہانی کے لیے جا سکتے ہیں اور وہاں جا کر انہیں یہ مسنون کلمات کہنے چاہئیں:۔
السلام علیکم یا اہل القبور انتم لنا سلفا و نحن بکم ان شاء اللہ لاحقون۔
باقی جو کچھ قبروں پہ ہوتا ہے وہ سب جاہلانہ، مشرکانہ بدعات ہیں۔

ماہنامہ "ترجمان القرآن" کا سالانہ چندہ تیس روپیہ ہے اور اگر آپ جاری کروانا چاہئیں تو ادارہ ترجمان القرآن اچھرہ، لاہور کے پتے پر سالانہ چندہ روانہ کر دیں۔ وہ آپ کے نام سال بھر کے لیے رسالہ جاری کر دیں گے۔

(غ ع)

والدین کے لیے حج بدل

سوال:۔ اگر ایک آدمی پہلے حج کا فریضہ ادا کر چکا ہو۔ تو دوبارہ وہ اپنے والدین میں سے کسی ایک کے واسطے حج ادا کر سکتا ہے، جب کہ والدین زندہ موجود نہ ہوں یعنی فوت ہو چکے

ہوں - تو ان کے لیے حج ادا کرنے کا طریقہ کیا ہوگا ؟

جواب :- جو آدمی اپنا فرض حج ادا کر چکا ہو، وہ اپنے والدین میں سے کسی ایک کے لیے حج بدل ادا کر سکتا ہے۔ دوسری مرتبہ چاہے تو والدین میں سے دوسرے کے لیے بھی حج بدل ادا کر سکتا ہے۔ حجِ بدل فوت شدہ کی طرف سے بھی ہو سکتا ہے۔ اس حج کے ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جس کی طرف سے حج بدل کرنا ہو، جہاں وہ انسان رہتا تھا، وہاں سے حج کی نیت کے ساتھ سفرِ حج شروع کیا جائے۔ اور پھر سارے مناسکِ حج میں بھی اسی فوت شدہ عزیز کی طرف سے حج کی نیت کی جائے اور دعا کی جائے کہ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے اور اس عزیز کے حق میں نفع بخش بنائے۔

(غ-ع)

تصحیح (متعلق بہ گذشتہ شمارہ)

ص ۳ - سطر ۸	وَالْاَرْضِ کے بجائے وَالْاَرْضَ
ص ۳ - سطر ۱۰	فَسُوقَ کے بجائے فُسُوْقَ
ص ۳ - سطر ۱۰	فِی الْحَجِّ کے بجائے فِی الْحَجِّ
ص ۵ - سطر ۳	صدقین کے بجائے صِدِّیْقِیْنَ
ص ۶ - سطر ۱۱	حضرت عبداللہ بن عوف کے بجائے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف
ص ۱۱ - سطر ۶	لِاَزَاجِكَ لِاَزْوَاجِكَ

جن خیر خواہ دوست نے ان اغلاط کی نشاندہی کی، ان کے لیے شکریہ اور دعائے فلاح۔

(ادارہ)

مطبوعات

وجود باری تعالیٰ اور توحید مؤلف: ڈاکٹر ملک غلام مرتضیٰ۔ مدینہ منورہ۔ ناشر: مکتبۂ قرآنیات، ۱۴، علی بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور۔ ملنے کا پتہ: ملک سنز و تاجران کتب۔ ۱۷۔ڈی، مکہ کالونی، گلبرگ III، لاہور۔ خوبصورت طباعت و جلد۔ صفحات: ۳۷۹۔ قیمت درج نہیں۔

عقاید اور توحید پر جو کتابیں شائع ہوتی ہیں یا تو وہ بہت عالمانہ ہوتی ہیں یا ایک بنی ہوئی سادہ سی ڈگر کے مطابق ضروری باتیں بیان کر دی جاتی ہیں۔

یہ کتاب ان دونوں قسموں سے الگ طرز کی ہے اور جدید علوم سے متاثر نوجوانوں کے لیے خوبصورت زبان میں نہایت مؤثر استدلال کے ساتھ لکھی گئی ہے۔ پھر اس کی ایک خوبی یہ ہے کہ اس کا طرز و انداز فرقہ وارانہ نہیں، نہ کسی گروہ کی خاص اصطلاحات کی نمائش، نہ کسی دوسرے گروہ کی مخالفت کا انداز۔

مزید دلکش بات یہ ہے کہ جہاں جہاں ضرورت پیش آئی ہے، وہاں جدید علوم فلسفہ و سائنس سے استفادہ کر کے ایسے متداول مباحث سامنے لائے گئے ہیں، جن کو جاننے کے بعد قرآن کے بعض اشارات یا آیات کی مزید توضیح ہو جاتی ہے۔ مگر ڈاکٹر ملک غلام مرتضیٰ صاحب نے عام مولویانہ و مناظرانہ طرز پر جدید معلومات کا سطحی استعمال نہیں کیا ہے، نیز محض کہیں کہیں سے جمع کردہ اقتباسات کو خاص خاص مواقع پر فِٹ نہیں کر دیا ہے، بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی علم یا بحث یا اس کا متعلقہ پہلو انہوں نے خود پڑھا ہے اور پھر اس سے استفادہ کیا ہے۔ انہوں نے کہیں بھی قرآن کو فلسفہ و سائنس کا تابع نہیں بنایا۔

کتاب کی ایک خوبی یہ ہے کہ یہ ۳۹ ابواب اور کئی فصلوں میں تقسیم کی گئی ہے۔ اس سے مباحث الگ

الگ منتخب کیے گئے ہیں۔ ڈاکٹر ملک صاحب نے آیات و احادیث کو بہت خوبی سے شاملِ استدلال کیا ہے۔ درست حوالے ہیں اور خوب صورت ترجمے۔ بسا اوقات ترجمے خاص خاص معروف مترجمین و مفسرین کے ہاں سے لیے گئے ہیں۔ پھر انھوں نے بڑی وسیع و عمیق نظر سے قرآن کو دیکھا ہے۔ مثلاً ص ۱۲۹ سے ۱۳۸ تک قرآن کی آیاتِ انفس و آفاق کا خلاصہ مفہوم آیات کے حوالوں کے ساتھ جس خوبی سے بیان ہوا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ باقی ساری بحثوں کو تو میں یہاں عرض نہیں کر سکتا۔

کتاب ہاتھ آتے ہی ذوق و شوق سے جلد جلد پڑھی اور دورانِ مطالعہ برابر یہ سوال میرے ذہن میں اُبھر رہا کہ یہ شخص خدا کی توحید کو بیان کرتے ہوئے خدا کی حاکمیت کو بھی بیان کرتا ہے یا نہیں؟ یہاں تک میں نے ص ۳۰۲ ختم کر لیا۔ آگے باب ۳۶ کا عنوان تھا: لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا مطلب۔ میں نے خیال کیا کہ اگر اصل مغزِ توحید ملے گا تو یہاں، ورنہ کتاب ناقص رہے گی۔

"لا معبود الّا اللہ" کی تشریح میں لکھا کہ "اِلٰہ" کے معنی میں سے ایک معنی معبود کے ہیں اور یہی اس کے بنیادی معنی ہیں"۔ (ص ۳۰۶)۔ پھر امام ابن تیمیہ کے حوالے سے بتایا کہ کلمہ عبادت میں دو مفہوم شامل ہیں: ۱- انتہا درجے کی محبت۔ ۲- انتہا درجے کی اطاعت (ص ۳۰۷)۔ پھر آگے لکھا کہ "جنسِ محبت میں اور جنسِ اطاعت میں بھی کسی کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک نہ ٹھیرایا جائے"۔ (ص ۳۰۹) پھر بات پوری طرح کھول دی گئی۔ "نواقض الشہادتین" کے عنوان سے ان اُمور کا ذکر ہوا جو توحید کے نقیض اور شرک یا کفر کو مستلزم ہیں۔ وہ یہ ہیں:

۱- غیر اللہ پر اعتماد و بھروسہ ۲- مطلقاً غیر اللہ کے لیے عمل۔ ۳- غیر اللہ کی اطاعت۔ ۴- غیر اللہ کو حاکمیت یا قانون سازی کا حق دے دینا۔ ۵- غیر شرعی و غیر اسلامی نظام پر رضامندی۔ (آگے چند اور عنوان ہیں)۔

اِس حصّے کو پڑھ کر اطمینان ہوا کہ ملک صاحب کے تصورِ توحید میں کوئی کمی یا رخنہ نہیں ہے۔

یہ کتاب ہر صاحبِ ذوق کو پڑھنی چاہیے اور دوسروں کو پڑھانی چاہیے، اور لائبریریوں میں موجود ہونی چاہیے۔ بلکہ دینی مدارس اور کالجوں میں یہ کتاب بعض مضامین کے تحت اضافی مطالعہ کے لیے منظور کی جانی چاہیے۔

ایضاح القرآن | از جناب ضیاء الدین اصلاحی (دارالمصنفین اعظم گڑھ) - ناشر: یونائیٹڈ ایڈیشن ادب منزل، فرسٹ فلور، اردو بازار، کراچی - لاہور میں ملنے کا پتہ: جہانگیر بک ڈپو، اردو بازار لاہور قیمت مجلد مع سنہری ڈائی ساٹھ روپے۔

یہ اچھی علمی کتاب ہے۔ شروع میں قرآن کے بعض اسالیب اور طرز تخاطب پر گفتگو ہے۔ قصۂ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر مستشرقین کے اعتراضات پر بحث ہے۔ سورۂ فاتحہ پر گفتگو ہے۔ چند آیات پر خاص طور سے تفصیلی اظہار خیال کیا ہے۔ آیت صیام اور اصحاب الاعراف، تفسیر کبیر، تفسیر ابن کثیر اور التکمیل فی اصول التاویل پر کلام کیا گیا ہے۔

تفسیری اور فقہی طرز کے بہت سے مباحث ایسے ہیں کہ نہ تو ان سب کو یہاں بیان کیا جا سکتا ہے اور نہ ان کے اچھے اور کمزور پہلوؤں پر کوئی واضح رائے دی جا سکتی ہے۔ بہ حیثیت مجموعی اسے مفید ہی قرار دیا جا سکتا ہے۔

حقیقتوں کے چراغ | از قلم رئیس الدین طہور جعفری - ناشر: نیرنگ خیال پبلی کیشنز، پی ایم اے ہاؤس، لیاقت روڈ، راولپنڈی - مجلد مع رنگین گرد پوش، پونے دو سو صفحات - قیمت پچاس روپے

۹ کہانیوں کا یہ مجموعہ ہمیں بہت پسند آیا - ایک تو ساری کہانیاں پلاٹ اور بیان کی فنی پیچیدگیوں سے اس طرح خالی ہیں کہ وہ سچی کہانیاں معلوم ہوتی ہیں - اور جدید پُراسرار افسانوں سے زیادہ توجہ کو کھینچتی ہیں - پلاٹ بالکل اُس صورت میں ہیں جس صورت میں زندگی میں سماجی واقعات ہوتے ہیں - اور کردار بھی ایسے کہ جیسے آپ کو دیہات اور شہر میں چلتے پھرتے دکھائی دیتے ہیں - ایسا نہیں معلوم ہوتا کہ وہ کسی دوسرے کا ٹھونسا ہوا مکالمہ دہرا رہے ہیں - بلکہ یوں لگتا ہے کہ یہ کردار خود ہی سوچتے، محسوس کرتے اور آپس میں گرم سرد باتیں کرتے ہیں — مرد، عورتیں، بوڑھے، بچے، سب!

یہ کہانیاں خیر و شر کے معرکۂ جہاں گیر میں صریحاً اپنا بہت اچھا پارٹ ادا کرتی ہیں۔ یعنی ان میں خیر و شر کے ایسے نتائج و اثرات سامنے آتے ہیں کہ قاری خیر کو خیر اور شر کو شر سمجھنے لگتا ہے اور اس کے اندر صحیح کے محبت اور غلط کے لیے بیزاری پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لحاظ سے یہ افسانے اپنے اندر وہ اخلاقی رُوح رکھتے ہیں جو نیکی کو بدی کے مقابلے میں فاتح یا کم سے کم معرکہ آرا دکھانا چاہتی ہے۔

رئیس الدین ظہور جعفری کی اگر ابتداء یہ ہے تو نجانے انتہا کیا ہوگی ۔ مگر دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں سرریلزم اور رسلامتی افسانہ نگاری کے جدید فتنوں سے بچائے ، کیونکہ یہ اگر اس طرف کو بڑھ گئے تو معاشرے کے عام لوگوں ، مردوں ، عورتوں اور بچوں کے پاس پڑھنے کے لیے کیا رہ جائے گا؟

نسیم حجازی (ایک مطالعہ)	ترتیب و تدوین : ڈاکٹر تصدق حسین راجا - ناشر : قومی کتب خانہ - ۱۹ فیروز پور روڈ ، لاہور - ناول سائز کے تقریباً پانچ سو صفحات ، مع رنگین گرد پوش -

قیمت : ساٹھ روپے -

نسیم حجازی سے میرا ذہنی تعلق بہت قریبی ہے اور ملاقاتیں بھی متعدد بار ہوئیں - ایک سیدھا سادا سپاہی مزاج مسلمان ہے جس کی ادیبانہ شان اس کی شخصیت کے یم بیکراں کی سطح پر نہیں دکھائی دیتی - خدا گہرائی میں ہے -

یہ کتاب میرے پاس تبصرہ کے لیے نہیں آئی - لیکن جی چاہا کہ دو چار سطریں لکھ دوں - نسیم حجازی کی ذات اس لیے ادبی دنیا میں بے حد اہم ہے کہ اس نے ترقی پسندوں اور مغرب کے مرعوب کن ادبی نظریات کے علمبرداروں کو ایسی بری شکست دی ہے کہ جس کی وجہ سے سزا دہی کے طور پر دنیائے ادب کے فسطائیت پسند اکابر تے سہرے سے نسیم حجازی کے نام کو اپنے ہاں گم کر دیا - نہ اس کی کتابوں پر ریویو ہوتے ہیں ، نہ اس کے اسلوب اور زبان دفن پر بحثیں ہوتی ہیں - اس طرح ادھر کے لوگوں نے سمجھ لیا کہ گویا نسیم حجازی کہیں ہے ہی نہیں - اِدھر یہ عالم کہ یکے بعد دیگرے ناول شائع ہوتے ہیں اور تیزی سے فروخت ہوتے ہیں - کئی کئی ایڈیشن شائع ہوتے ہیں اور فوج اور مزدوروں اور ملازموں اور لڑکیوں کی ایک کثیر تعداد متاثر ہوتی ہے - ان ناولوں سے اسلامی جذبات کی آبیاری ہو رہی ہے - ان کے ذریعے تاریخ کے ابواب سامنے آکر اپنے اسباق پہنچا رہے ہیں - نسیم صاحب نے تاریخی واقعات کی بڑی تحقیق کی ہے اور انہیں مسخ نہیں کیا ، بہترین عام فہم اور پُراثر زبان استعمال کی ہے - مناظر کی تشکیل اور واقعات کے اندر چھوٹے چھوٹے خلا تلاش کر کے ان میں ہلکا سا پاکیزہ رومان شامل کر دینا نسیم صاحب کا کمال ہے -

زیر نظر کتاب میں ان کی شخصیت اور ان کی سوانح ، ان کے گھر کے احوال ، ان کے کام کرنے کے طریقے غرض ہر ضروری پہلو پر بہت اچھی روشنی ڈالی گئی ہے -

نسیم حجازی صاحب مطمئن رہیں کہ جو لوگ احسان دانش اور ماہر القادری اور حفیظ جالندھری اور ایم۔ اسلم جیسی بڑی بڑی شخصیتوں کو گم کرنے میں ناکام رہے ہیں، ایسے ہی ان کے بارے میں ان کی ناکامی ظاہر ہے۔

آپا حمیدہ بیگم (مرحومہ) مرتبہ: پروفیسر فروغ احمد۔ ناشر: حرا پبلیکیشنز، فضل الٰہی مارکیٹ ۱۴/۳ اُردو بازار، لاہور۔ قیمت مجلد مع گرد پوش -/۶۵ روپے۔

اس سے پہلے ایک کتاب محترمہ حمیدہ بیگم کی شخصیت کے متعلق "اوصاف حمیدہ" کے نام سے ان صفحات میں متعارف کرائی جا چکی ہے۔

اب یہ دوسری کتاب کمپوٹر پرنٹنگ کی چادر اوڑھے حاضر ہے۔ بات تو صرف اتنی ہی ہے کہ آپا حمیدہ بیگم (مرحومہ) انسانیت کا ایک خوش آئند پیکر اور دعوتِ اسلامی کی علمبردار اور قریب آنے والی خواتین اور لڑکیوں اور بچوں کی بہترین تربیت کار تھیں۔

اِس کتاب میں یہی کچھ پیش کیا گیا ہے، مگر بہترین عنوانات، اچھی معلومات اور حسنِ ترتیب کے ساتھ۔ یہ کتاب کسی ایک فرد نے نہیں لکھ ڈالی، بلکہ یہ مجموعہ ہے ان معلوماتی اور تاثراتی مضامین کا جن کے لکھنے والوں میں محترمی میاں طفیل محمد صاحب سے لے کر طاہر قریشی تک، پروفیسر فروغ احمد سے لے کر اسلم سیالکوٹی تک، نیّر بانو سے لے کر زینب کا کاخیل تک، ملک نصراللہ خاں سے لے کر سلمیٰ یاسمین نجمی تک اور سیّد اسعد گیلانی سے لے کر ڈاکٹر نبیہ حسن تک بہت سے حضرات و خواتین شامل ہیں۔ (ساری تعداد عرض نہیں کی جا سکی)۔ اس طرح گویا مختلف کیمروں نے مختلف زاویوں سے ایک پیکرِ ایمان و اخلاق اور ایک مجسمۂ اخلاص و عمل کی جو تصویریں لی ہیں، وہ یکجا پیش کر دی گئی ہیں۔

سہ ماہی "ادبیات" بہ ادارت سیّد ضمیر جعفری، بہ نگرانی پروفیسر پریشان خٹک، بہ اہتمام اکادمی ادبیاتِ پاکستان، مکان نمبر ۱۲، گلی نمبر ۳۱۔ ایف ۷/۱۔ اسلام آباد۔ ضخامت فی شمارہ (سہ ماہی جنوری تا مارچ ۸۸ء) ۳۱۶ صفحات، دبیز آرٹ کارڈ کا ڈیزائن دار سرورق۔ قیمت فی شمارہ -/۱۵ روپے۔ سالانہ -/۶۰ روپے

یہ جریدہ اپنی شکل و صورت اور اپنے مندرجات کے لحاظ سے بھی اور نظامِ ادارت کے پہلو سے بھی

بہت امید افزا ہے۔ ترجمان القرآن کے تبصرہ نگار کی مجبوریاں ہیں کہ ادبیات پر تفصیل سے گفتگو نہیں ہو سکتی اور ایک ایک لکھنے والے کی نظم و نثر کی بیغلش پر اظہار تاثر ممکن نہیں ہوتا۔ مختصر یہ کہ بہت سے معروف لکھنے والوں کے ساتھ نئے لوگ بھی ہیں، نظم و نثر کی تحریریں بہت تنوع کے ساتھ ہر ذوق کی تسکین کا سامان کرتی ہیں اور ہر سطح کے پڑھنے والے ان سے استفادہ کر سکتے ہیں۔

بڑی مسرت کی بات یہ ہے کہ بہت سی اُن لغویات سے اس رسالہ کے اوراق زیادہ تر پاک ہیں، جو حقیقت پسندی کے مغالطہ انگیز نام سے معاشرے میں فکری انتشار اور رندی و ہوسناکی کے ہیجانات کو عام کرتے ہیں، نیز اپنے تہذیبی اقدار و شعائر سے دُور ہٹا کر دوسروں کی تہذیبی غلامی کے لیے نرم چارہ بنا دیتے ہیں۔

خدا کرے کہ یہ کوشش ہر لحاظ سے کامیاب اور مفید ثابت ہو!

پاکستان میں دعوت و اصلاح کی حکمتِ عملی از جناب محمد موسیٰ بھٹو۔ پتہ: سندھ نیشنل اکیڈمی، پوسٹ بکس ۲۵۸ - حیدر آباد - سندھ۔ قیمت: ۱۲/- روپے

اس چھوٹی سی کتاب میں بڑی اہم بحثیں اُٹھائی گئی ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان کو غور سے پڑھنا چاہیے اور ان پر غور کر کے اپنے کام کی اُلجھنوں کو حل کرنا چاہیے۔ مجھے یہ جائزہ نہیں معلوم ہوتا کہ کسی بیّن فسادِ نیت کو چھوڑ کر دوسرے تمام اختلاف کرنے والوں کے سامنے نفرت کی دیوار کھڑی کر دی جائے۔ محمد موسیٰ بھٹو نے اسلام کے لیے دعوتی کام اور علمی کام اور تربیتی کام کے کئی سوالات صاف ستھرے طریق سے اُٹھائے ہیں۔ میں یہاں صرف ایک سوال پر چند الفاظ لکھ رہا ہوں۔ انہوں نے بجا طور پر پیچیدگیٔ احوال کی ایک وجہ یہ بتائی ہے کہ بسا اوقات اقامتِ دین کی جدوجہد کے ساتھ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا تعلق ایک بنیادی فریضہ کے طور پر نہیں رہتا، بلکہ یہ دعوتی کام ایک ضمنی سطح پر چلا جاتا ہے۔ ایسا ہوتا ہے مگر اسلام کے صحیح تحریکی شعور کا تقاضا یہ ہے کہ اقامتِ دین کی ساری مہم میں درجہ اوّل کی اہمیت کا یہی کام ہے کہ خدا کو ماننے اور رسولؐ کی پیروی کرنے والے ایسے افراد کی تعداد بڑھائی جائے

جو رضاکارانہ طور پر خود پابند دین ہوں - اور دوسروں میں دین کو پھیلائیں - یہ تحریک کی جڑیں ہیں - یہ اگر نہ پھیلیں اور نہ مضبوط ہوں تو منہ اوپر کرکے پھلوں کے وفور کا منظر دیکھنے کی خواہش عبث ہے -
کتاب کے آخری حصے میں مختلف دینی اکابر سے جو مفید خط وکتابت ایسے مسائل پر بھٹو صاحب نے کی ہے، وہ درج ہے -

---

مجلہ آئینۂ ایام	مولف : حافظ محمد انور خلیلی کولوتارڑ - ۱۷۵ سی، سٹیل ٹٹ ٹاؤن، گوجرانوالہ -

یہ مجلہ کا اقبال نمبر (مئی ۱۹۸۸ء) ہے - حافظ صاحب کے اداریہ کے بعد پروفیسر اسرار احمد سہاروی نے اقبال کے متعلق ۴ مقالات شامل کیے ہیں - ایک مضمون مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کا ہے، ایک مضمون جنگ سے لیا گیا ہے، حصہ نظم بھی اپنے تنوع کے ساتھ دلچسپ ہے - گوجرانوالہ سے اس معیار کی ادبی کوشش بہت گراں قدر ہے -

---

پیغمبرِ اسلام حضرت محمد ؐ	مصنف : پروفیسر کے، ایس، راما کرشنا راؤ - مترجم: میجر (ریٹائرڈ) عنایت اللہ ناشر: مسز عنایت اللہ پرنسپل گورنمنٹ کالج برائے خواتین چونیاں ضلع قصور -

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت اور زندگی اور مشن کے بارے میں ایک ہندو پروفیسر کے خیالات ہیں - ان میں کچھ پہلو قابلِ گرفت بھی ہیں - مگر بحث کی ضرورت نہیں - ایک بیرونی ناظر نے جس طرح دیکھا، سُنا اور سمجھا اس نے اپنے تاثرات بیان کر دیئے - زیادہ تر تاثرات مؤلف نے مغربی اکابر سے لیے ہیں -

---

سب رس طنز ومزاح	مدیر : خواجہ حمید الدین شاہد - پتہ : ڈی ۱۴۳/۳، بلاک بی، تیموریہ کراچی ۷۴۰۰ قیمت فی شمارہ - ۶/- روپے - سالانہ ۶۰/- روپے -

خواجہ حمید الدین شاہد ایک خیالِ نازک جیسا وجود رکھتے ہیں، اپنی کم جسمانی قوت سے زیادہ کام لینے کا لمبا تجربہ رکھتے ہیں - مصروفیات بہت مگر طبیعت لطیف ونفیس، دماغ کے ایک ایک

خلیے پہ قابو، مگر دل کبھی ہاتھ سے نکل جاتا ہے، اردو کا ادبی رسالہ نکالتے ہیں مگر بے قاعدگی سے پاک۔

پہلی پاک و ہند طنز و مزاح کانفرنس ۲۶، ۲۷ مئی ۱۹۸۸ء کو کراچی میں منعقد ہوئی جس کا مقصد یہ تھا کہ رُلانے والے حالات میں گھرے ہوئے لوگوں کو "کلام" کے زور سے ہنسایا جائے اور ہنسنا سکھایا جائے۔ اس کانفرنس کی کارروائیوں اور اس میں پیش ہونے والے اہم ادب پاروں اور ان کے متعلق فنِ طنز و مزاح پہ کلیدی اور رہنما تحریریں سب رس نے اپنے اوراق میں پیش کرنے کا فیصلہ کیا اور مئی و جون کا مشترک شمارہ خاص نمبر بنا دیا گیا، جو اپنے سلسلہ موضوع کی پہلی کڑی ہے۔ اس نمبر کا منظوم حصہ تو اور بھی دلچسپ ہے۔

جن ۲۵ خواتین و حضرات کے مضامین سامنے ہیں، ان میں سے چند یہ ہیں: ڈاکٹر ثمینہ شوکت، مشفق خواجہ، نصراللہ خاں، ڈاکٹر انور سدید، رام لال نابھوی، سید ضمیر جعفری، عنایت علی خاں، قمر ہاشمی۔ سارے نام اور مضامین کی تفصیل عرض کرنے کیلئے اس رسالے میں جگہ نہیں۔

دکھوں اور پریشانیوں میں گھری ہوئی مخلوق سے گذارش ہے کہ خواجہ حمید الدین شاہد صاحب کے دار دئے قلق و حزن و قنوط کی پڑیا ضرور حاصل کیجیے! ورنہ یہ امراض سرطان سے بڑھ کر خطرناک ہیں۔ بہت سی موتیں انہی امراض سے ہوتی ہیں، لوگ منسوب کسی ظاہری مرض سے کر دیتے ہیں۔

ماہنامہ نعت | بہ ادارت: راجا رشید محمود۔ دفتر: ۱۸- راحت مارکیٹ، اردو بازار، لاہور
قیمت فی شمارہ ۱۰/- روپے۔ زرِ سالانہ ۱۲۰/- روپے۔

اس ماہنامے کے جولائی ۱۹۸۸ء کے شمارے کو مشہور "نعتِ قدسی" اور اس کی تضمینوں کے لیے مخصوص کیا گیا ہے۔ ع "مرحبا سید مکی مدنی العربی" نعت کی وادئ لالہ و گل میں بعض نعتیں، بعض شعر اور بعض مصرعے ایسے سنگِ میل بن گئے ہیں کہ ان کا دوسرا مثیل نہیں۔ انہی میں سے قدسی کی مشارٌ الیہ نعت کا شمار ہے۔

قدسی حاجی محمد جان کا تخلص اور "مشہدی" نسبت ہے۔ وہ ۱۰۴۲ھ میں ہندوستان میں آئے۔

ابو عبداللہ حاکم گجرات کے دربار میں رہے۔ قصائد پڑھ کر انعام حاصل کرتے رہے۔ ایک قصیدے پر انہیں سونے سے تُلوا کر (ایک من ۱۸ سیر) انعام دیا گیا۔

مختلف بحثوں سے قطع نظر، اُن کی شان میں غلام قادر گرامی نے یوں خراجِ عقیدت پیش کیا ہے:

ابنِ مریمؑ کہ اسمہٗ احمد گفت — گفتم عجمی، گفت کہ۔۔۔ عربی
فاکن مژدہ، مصرعے از قدسی بخواں — مکی، مدنی، ہاشمی و مطلبی

ڈاکٹر خواجہ عبدالحمید یزدانی نے لکھا کہ "اس میں ایک مجبور بے چارے معصوم سے انسان کی سی سادگی کے ساتھ حضورؐ کی چند صفات کا ذکر کر کے اپنے عاصی ہونے کا اقرار کیا ہے اور حضورؐ سے شفاعت کی التجا کی ہے"۔

مرزا غالب، امام بخش صہبائی، میر مہدی مجروح، مومن خاں مومن، جلیل مینائی اور بہادر شاہ ظفر جیسے اساتذہ سے لے کر عبدالعزیز خالد اور مضطر سہارنپوری تک ۹۱ شعرا کی تضمینیں (بر نعت قدسی) شاملِ اشاعت ہیں۔

تحریکی خواتین سے چند بے لاگ باتیں، از شبیر احمد منظر قدوسی۔ ناشر: ادارہ صدائے سحر، بنگلور۔ پورا پتہ: ادارہ صدائے سحر، ۵۴- قاضی سٹریٹ، لبون گڈسی، بنگلور، کرناٹک (انڈیا)

بہت متاثر کن پمفلٹ ہے۔ خواتین کے ان تمام احوال کا جائزہ لیا گیا ہے جن کو وہ تحریکِ اسلامی کی خدمت کی راہ میں رکاوٹ سمجھتی ہیں۔ خواتین میں دین کی مؤثر و متحرک خدمت کے لیے جذبے کی جو کمی ہے اس کا تجزیہ کرتے ہوئے مؤلف نے دلوں میں اکساہٹ پیدا کرنے کا اہتمام کیا ہے۔ پھر اس مسئلے کو بھی لیا ہے کہ والدین تو تحریکی سرگرمیوں سے منسلک ہوتے ہیں اور جوان اولادیں اُلٹی سیدھی راہوں پر چل نکلتی ہیں۔ علاوہ ازیں عورتوں میں دُنیا پرستی اور تعلقات میں دنیویت کا خاص طور پر مسئلہ اُٹھایا گیا۔ ایسے جائزہ احوال کے ساتھ عورتوں کو دعوت دی گئی ہے اور ان سے اپیل کی گئی ہے کہ دین کا کام کریں۔

حدود اللہ کا نفاذ | از جناب پروفیسر سید محمد سلیم ۔ ناشر: ادارہ تعلیمی تحقیق، تنظیم اساتذہ پاکستان ۸ - اے ذیلدار پارک، اچھرہ، لاہور - صفحات: ۳۲ - رنگین ٹائیٹل قیمت: ۵/ روپے

اوپر دیئے ہوئے عنوان کے ساتھ یہ اضافہ کیجیے: "شرف انسانیت کا تحفظ ہے"۔ نفاذِ شریعت کی تحریک ملک میں موجود ہے۔ اس موقع پر سید صاحب نے اپنے اس پمفلٹ میں یہ واضح کیا ہے کہ فرد خلیفۃ اللہ ہے اور خاندان اور معاشرہ اس کی صلاحیتوں کے نشوونما کے لیے میدان فراہم کرتے ہیں۔ ریاست ایک طرف فرد کے حقوق کا تحفظ کرتی ہے، دوسری طرف معاشرے کو نظم کا پابند بناتی ہے۔ فرد کے تحفظ اور افراد اور اجتماعیت میں توازن و عدل قائم رکھنے کے لیے جو حدود اللہ مقرر کی گئی ہیں، اُن کی تقسیم سید صاحب نے یوں کی ہے:- ۱- انسانی وجود کے خلاف جرم ۲- انسانی شعور کے خلاف جُرم - ۳- افزائشِ نسل کے خلاف جُرم - ۴- حرمتِ خاندان کے خلاف جُرم - ۵- معاشرہ کے خلاف جُرم - ۶- ریاست کے خلاف جُرم - ۷- نظامِ حیات کے خلاف جُرم - اس تجزیہ کی وجہ سے مضمون ایک مفید اور دلچسپ فلاسفی بن گیا ہے۔

اسلامی تجارت کے چند بنیادی خدوخال | مؤلفہ: مولانا محمد یوسف قریشی - ناشر: مؤتمر المصنفین، جامعہ اشرفیہ، پشاور۔ صفحات: ۴۰، قیمت: ۵/ روپے

ہماری فقہ میں کتاب البیوع (اور چند دیگر فصول) کے عنوان سے ایسے بہت سے مسائل و احکام مدوّن کیے گئے ہیں کہ آدمی جان سکتا ہے کہ کتاب و سنّت کی پابندی میں زندگی گذارنے کے لیے کن حدود میں رہنا ضروری ہے۔ آج جو خیانت، ملاوٹ، اسمگلنگ، ذخیرہ اندوزی، گراں فروشی، سُود خواری وغیرہ مفسدات ہماری تجارت میں داخل ہو گئے ہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ اپنے دین کے احکام و قوانین کو بھول بیٹھے ہیں۔

مولانا کے کام پر بحث و تجزیہ کرنا تو ہم جیسے عامیوں کا منصب نہیں۔ ہم تو علمائے دین کی محنتوں کے خوشہ چیں ہیں۔

اُمید ہے کہ یہ مختصر رسالہ تاجروں اور عام لوگوں کے لیے مفید رہے گا۔

ستمبر ۱۹۸۸ء

رجسٹرڈ ایل نمبر ۵۳۴۰